دینی، اصلاحی، علمی تصوّف وسلوک کا واحد مجلّہ

ماہنامہ

المرشد

چکوال۔

بیاد:

حضرت العلام مولانا اللہ یار خان صاحب رح

سرپرست:

حضرت مولانا محمد اکرم صاحب مدظلہ

مدیر مسئول:

حافظ عبدالرزاق ایم اے (عربی۔ اسلامیات)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اداریہ

نفاذِ شریعت میں تردّد کیوں؟

افراد کے مسلسل یکجا رہنے لینے سے معاشرہ وجود میں آتا ہے۔ مختلف افراد کی طبیعت، مزاج، پسند و ناپسند کا معیار، علمی صلاحیتیں مختلف ہوتی ہیں۔ اس فطری اختلاف کی وجہ سے مختلف افراد کی سیرت و کردار مختلف ہوتا ہے، عادات و اطوار مختلف ہوتے ہیں۔ پھر بھی کچھ عادات و اوصاف ایسے ہوتے ہیں جو کسی معاشرے کے اکثر افراد میں مشترک ہوتے ہیں۔ معاشرے کا مزاج ایسے ہی مشترک عادات و اوصاف کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ معاشرے میں کوئی اخلاقی تبدیلی من حیث المجموع اس وقت آتی ہے جب اکثر افراد میں ایسے مشترک اوصاف و عادات میں تبدیلی آ گئے۔

اس فطری اصول کے تحت جب ہم اپنا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں انفرادی مزاج اور اجتماعی مزاج میں یکسانیت دکھائی دیتی ہے۔ مثلاً معاشرے کے اکثر افراد میں یہ دورنگی پائی جاتی ہے کہ اسلام کے ساتھ وابستگی کا دعویٰ بھی ہے۔ عبادات کی عادت بھی ہے۔ مگر ساتھ ہی چوری، جھوٹ، ڈاکہ، قتل، رشوت، غبن کا کاروبار بھی چل رہا ہے۔ اور ہم مطمئن ہیں کہ ہم نے اپنے آپ پر اسلام نافذ کر رکھا ہے۔

اسی طرح اجتماعی مزاج میں اسی کیفیت کا اظہار ہو رہا ہے کہ سودی کاروبار بھی جاری ہے اور ڈ ٹ ح کا ایک کاؤنٹر بھی کھلا ہوا ہے۔ شرعی عدالتیں بھی ہیں اور کفر کے قانون پر مبنی عدالتوں کا کاروبار بھی خوب زوروں پر ہے۔ اور اجتماعی حیثیت سے ہم خوش ہیں کہ اسلام نافذ ہو گیا ہے۔

اسی طرح اکثر افراد میں امانت و دیانت کی کمی ہے۔ نیچے سے اوپر تک

بیماری موجود ہے۔ بلکہ یہ کہنا بے جا نہیں کہ اس ملک کے بیشمار مسائل نہیں بلکہ صرف ایک مسئلہ ہے اور وہ بد دیانتی ہے۔ زندگی کے ہر شعبہ میں زمینداری ہو، کاشتکاری ہو، تجارت ہو، ملازمت ہو، چھوٹا ہو، بڑا ہو، عامی ہو یا خواص میں سے ہو اس مرض کا مریض یقیناً ہے۔ اگر بد دیانتی کا مرض دور ہو جائے تو سارے مسائل حل ہو سکتے ہیں۔ لطف یہ کہ ہماری اسلامیت میں کوئی خلل نہیں آتا۔

اس انفرادی مزاج سے جو اجتماعی مزاج بنا اس کے اسلام کا نقشہ یہ ہے کہ زکوٰۃ کا نفاذ ہو گیا۔ مگر جس کا جی چاہے زکوٰۃ دے، جس کا جی نہ چاہے وہ حلف نامہ دے کر زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہو جائے۔ حالانکہ زکوٰۃ سے مستثنیٰ صرف کافر اور مشرک ہی ہو سکتا ہے۔ پھر زکوٰۃ کی تقسیم کے لئے اسلام نے اصول بتایا کہ "تُؤْخَذُ مِنْ اَغْنِيَائِهِمْ وَتُرَدُّ اِلٰى فُقَرَائِهِمْ" یعنی مسلمان مالداروں سے لی جائے اور مسلمان فقراء کو دی جائے لیکن اجتماعی مزاج یہ ہے کہ مسلمانوں سے زکوٰۃ لے کر کافروں میں تقسیم کی جاتی ہے اور ایسے مدارس کو لاکھوں روپے زکوٰۃ میں سے دئے جاتے ہیں جن میں کفر کی تعلیم اور کفر کی اشاعت کا اہتمام ہوتا ہے۔ اور لطف یہ کہ ہم خوش ہیں کہ معاشرے میں اسلام نافذ ہو رہا ہے۔

ایسی صورت حال پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ قدرتی ترتیب ہے جب ہم بحیثیت فرد اپنی ذات پر خلوص سے اسلام نافذ کرنے کے لئے تیار نہیں تو معاشرے میں اسلام کیونکر نافذ ہو گا۔ ایسا ہونا مشکل نظر آتا ہے کیونکہ محسنِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اصول بتایا ہے کہ اَعْمَالُكُمْ عُمَّالُكُمْ جس کا مطلب یہ ہے کہ جیسے تمہارے اعمال ہوں گے ویسے ہی تمہیں حکمران دیئے جائیں گے۔ یعنی اگر تمہارا معاملہ دین، اللہ تعالیٰ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھرا اور مخلصانہ ہو گا تو تمہیں حکام بھی ایسے ہی ملیں گے۔ اور اگر تم اپنی عملی زندگی میں اللہ و رسول اور اسلام کو محض بلیک میل کرتے گزار رہے ہو تو یقیناً تمہیں حکمران بھی ایسے ہی ملیں گے جو اس فن میں تم سے بھی سینئر ہوں۔

لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ ہر مسلمان اپنی انفرادی حیثیت میں اپنے

آپ پر اسلام نافذ کرنے کی کوشش کرے۔ اور اللہ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے ساتھ معاملہ کھرا رکھے۔ تاکہ اجتماعی مزاج میں بھی یہی خلوص پیدا ہو جائے
ورنہ ساری خود فریبی اور مذاق ہی ہے۔
اچھا حکمران اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اور بہت بڑی نعمت ہے۔ اور ایسی عظیم
نعمت اللہ تعالےٰ اپنے باغیوں کو کبھی نہیں دیتا۔
سچے دل سے اللہ تعالےٰ کے بندے بن جاؤ۔ کامیابی کا راز اسی میں ہے ؎

اس کی باتوں سے اسے تُو نے سمجھا خضر
اس کے پاؤں کو تو دیکھو کدھر جاتے ہیں

اسرار التنزیل

حضرت مولانا محمد اکرم صاحب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ الخ الآیۃ ۔ ۔ ۔ ۔
وَقَالَ الرَّسُولُ يَا رَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَٰذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا ۔

أمّا بعد : انسان دنیا میں دو طرح سے ہیں۔ یہ دنیا، یہ ارض وسماء، اس کی فضائیں اور طرح طرح کی نعمتیں آنکھوں کے لئے فرحت ہے، لذت کام و دہن کا سامان ہے، یہ ساری چیزیں مل کر ایک ایسا سماں باندھتی ہیں کہ انسان اپنی پوری عمر ان لذائذ کے حصول میں سرگرداں رہتا ہے۔ لیکن یہ دنیا صرف ایسی نہیں بیک وقت ویسی بھی ہے کہ جہاں برف پوش چوٹیاں ہیں وہاں آگ بھی برس رہی ہے، ایک طرف مرغزار ہیں لیکن دوسری طرف کی زمین انسانی خون ہی سے بھری ہے۔ اگر ایک طرف لذت کام و دہن کا سامان ہے تو دوسری طرف اتنے امراض اور اس قدر بیماریاں ہیں کہ انسان بے شمار نعمتیں ہونے کے باوجود کچھ کھانے کی سکت نہیں رکھتا۔ اگر ایک طرف تخت حکومت ہے اسی کے ساتھ دوسری طرف جیل کی کوٹھڑی بھی لگی ہوئی ہے۔ آج کا فاتح کل کا مفتوح ہے۔ آج کا نوجوان کل کا بوڑھا ہے، آج کا امیر کل کا غریب ہے۔ تو دونوں پہلو اس زندگی کے اپنی پوری شدت سے رواں دواں ہیں اور ہر انسان ان دو چکی کے پاٹوں کے درمیان پس رہا ہے کبھی ایک طرف سے کچھ حاصل کر لیتا ہے کبھی دوسری طرف سے۔ بلکہ بیشتر لوگ جو ہیں وہ مصائب زیادہ جھیلتے ہیں اور آرام کم پاتے ہیں۔ پھر جب یہ دنیا ختم ہوگی یہ زندگی ختم ہوگی تو موت جو ایک نئے سفر کے آغاز کا نام ہے ایک نئی زندگی ہے ؎

موت کو سمجھے ہیں غافل اختتام زندگی
ہے یہ شام زندگی صبح دوام زندگی

جسے ہم زندگی کا خاتمہ سمجھ رہے ہیں اس سے جو زندگی شروع ہوگی وہ کبھی ختم ہونے میں نہیں آئے گی۔ اور پھر حشر برپا ہوگا تو وہاں بھی لوگ دو فریق

کے ہوں گے۔ ۔ ۔ ۔ اللہ کریم فرماتے ہیں۔
" اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ۔
قیامت کا زلزلہ بہت بڑا حادثہ ہوگا جو
بہت بڑا، اتنا بڑا کہ جس کی ہیبت سے
آسمان بھی محفوظ نہیں رہیں گے، سورج
بے نور ہو جائے گا ستارے چاند جھڑ جائیں
گے۔ پہاڑ دھنکی ہوئی روئی کے گالوں
کی طرح اڑیں گے اور سمندر کھول کر خشک
ہو جائیں گے، بھاپ بن جائیں گے۔
ظاہر ہے اتنا بڑا حادثہ ہر شے کو تہ و بالا کر دینے
ہوگا۔ تو وہاں بھی لوگ دو طرح کے ہوں گے۔ بالکل
جس طرح اس دنیاوی زندگی میں انسانیت تکلیفوں
میں مصیبتوں میں پریشانیوں میں سسک رہی ہے
کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو بڑے اطمینان سے بڑے
آرام سے زندگی بسر کر رہے ہیں ہزار ہا حادثات
زمانہ اُن کے مزاج کو نہیں بدل سکتے اُن کے
پائے استقامت میں لغزش نہیں لا سکتے۔ اُن کی اپنی
سوچ، اُن کے طریقے کو نہیں بدل سکتے ۔
دُنیا کے وہ طوفان جو دوسروں کو تنکوں کی طرح
اڑائے پھرتے ہیں، وہ جس طرح ایک مضبوط
چٹان سے گرد و غبار ٹکرا کر اُسے اور نکھار دیتے
ہیں، اُن کے لئے بالکل وہی کام کرتے ہیں جہاں
تکالیف دوسروں کو پریشان کرتی ہیں انہیں تکالیف
بھی بڑی حد تک راحت پہنچانے والی بن جاتی ہیں۔
چونکہ راحت کا وقت انسان کے اندر ہوتی ہے
اس کے دل میں ہوتی ہے ایک شخص کو آپ تخت
سلطنت پہ بٹھا دیں لیکن اُس کا دل خوش نہ ہو تو
وہ حکومت اس کے کسی کام کی نہیں ہے۔ ایک
شخص کو آپ سزائے موت دے دیتے ہیں دار میں
کھینچنے کی تیاری کرتے ہیں لیکن اس کا دل مطمئن ہے
تو وہ خوش ہے اُسے راحت مل رہی ہے۔
بالکل ایسے ہی دو طرح کے لوگ وہاں بھی ہونگے
اور اللہ کریم نے بڑی عجیب طرز اختیار فرمائی ہے
ارشاد ہوتا ہے۔
" اصحاب الجنة يومئذ خير مستقرا واحسن
مقيلا" دیکھیں مقصود ہے حادثہ قیامت
اور واقعہ قیامت کی حالت کا بیان، لیکن کچھ
لوگوں کو اس قدر استثنیٰ حاصل ہے کہ وقوع سے
پہلے اُن کے استثنیٰ کا ذکر ہو رہا ہے۔ وقوع کا
ذکر بعد میں ہے اور جو لوگ اس سے مستثنیٰ قرار
دے دیئے ہیں اُن کا ذکر پہلے ہو رہا ہے۔ اتنی
اہمیت حاصل ہے انہیں کہ کوئی سننے والا یہ نہ
سمجھے کہ سب دنیا پہ یہ حادثہ اسی طرح بیت
جائے گا بلکہ فرمایا وہ لوگ جو جنت کے باسی ہیں
اصحاب الجنة جنت کے باسی لوگ اور یہ بجائے
خود عجیب اصطلاح ہے، وہ لوگ جو اس دارِ دنیا

میں اللہ جل شانہٗ کی اطاعت کرکے وقت گزارتے ہیں اور اللہ کی منشاء کے مطابق رہتے ہیں انہیں اصحٰبُ الجنۃ کہا گیا ہے خواہ وہ اس دنیا میں ہوں برزخ میں ہوں یا میدانِ حشر میں ہوں وہ جنت کے مالک ہیں جنت کے رہنے والے ہیں جنہوں نے اپنا سودا ربِ کریم سے بنھالیا۔ تو فرمایا جنت کے باسی جو ہیں جنت کے رہنے والے جو ہیں وہ اُس دن بہترین ٹھکانے پر ہوں گے اُنہیں بہترین خطاب کیا جائے گا" واحسن مقیلاً" اُس دن تو اُنہیں بات سُننے کی لذت آرہی ہوگی یعنی عین ایک لمحے میں جب ایک شخص درد سے تڑپ رہا ہے دوسرا لذت کی انتہا کو پہنچ رہا ہے۔ ایک شخص گرفتار بلا ہے اور دوسرا اُسی گھڑی راحت پا رہا ہے۔ فرمایا وہی وقت ہوگا جب اہلِ جنت بہترین ٹھکانے پر بیٹھے ہوں گے وَاَحْسَنُ مقیلا اور بہت نفیس باتیں سُن رہے ہوں گے۔ بہت نفیس باتیں کر رہے ہوں گے۔ اور وہ دن ایسا ہوگا" یوم تشقق السماء بالغمام ونزل الملئکۃ تنزیلا"، حالانکہ اس دن کی ہیبت سے آسمان پھٹ رہے ہوں گے فرشتے فوج در فوج اُتر رہے ہوں گے حشر کا میدان قائم ہو رہا ہوگا۔ اور فرمایا الملک یومئذ ن الحق للرحمٰن" اور صرف اور صرف اللہ جل شانہٗ کی حکومت ہوگی۔ کوئی جھوٹے منہ بھی اپنی حکومت وسلطنت کا مدعی نہیں ہوگا۔ کوئی اپنی ریاست نہیں چاہے گا بلکہ بڑے سے بڑا انسان بھی اپنی جان بچ جانے کی فکر میں ہوگا۔

وکان یوما علی الکافرین عسیرا۔ اور خدا کی نافرمانی کرنے والوں پر وہی دن سخت ترین دن بن جائے گا۔ ایک ہی دن ایک طرف اپنے دامن میں بے شمار نعمتیں بے شمار راحتیں بے شمار حسن لپیٹے ہوئے ہے تو دوسری طرف اپنے دامن میں بے شمار مصیبتیں بے شمار سختیاں اور لامتناہی عذاب۔ اللہ اللہ ویوم یعض الظلم علی یدیہ۔ فرمایا اس دن ظالم لوگ اپنے ہاتھ کاٹیں گے۔ اور کہیں گے یلیتنی اتخذت مع الرسول سبیلا۔ کاش ہم اللہ کے رسول کے ساتھ راستہ اختیار کرتے، چونکہ وہ دیکھ رہے ہوں گے کہ وہاں لوگوں کو، کس طرح سے اُن کی درجہ بندی کی جائے گی، رینگنائز کیا جائے گا، کیونکہ وہاں کی درجہ بندی اُسی نسبت سے ہوگی جو کسی انسان کو اللہ کے رسول سے ہے۔ اس کے ظاہری قدوقامت سے اس کے نسب ونام سے اُس کے مال و دولت سے اس کی حکومت وسلطنت سے، اس کے کسی اور دنیوی وصف سے نہیں

بلکہ صرف ایک وصف جانچا جائے گا کہ کس کو اللہ کے ساتھ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کتنی نسبت ہے۔ تو جب یہ بات سارے عالم کے سامنے ہو گی، تو کافر بھی کہے گا اے کاش دوستی کا مزا تو اللہ کے رسول کے ساتھ تھا وہ کہے گا" یاویلتیٰ لیتنی لم اتخذ فلانا خلیلا۔ اے کاش جنہیں زندگی میں میں دوست سمجھتا رہا انہیں دوست نہ بناتا۔ یعنی دوستی کا لطف تو یہ ہے کہ کافر بھی کہے گا کہ وہ کامیاب رہے جن کی محبت جن کی الفت جن کی دوستی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تھی اور میں کیسا بے نصیب تھا میں جنہیں اپنا ہمدرد سمجھتا تھا وہ آج میرے گناہوں پہ میرے لئے گواہی کا کام کر رہے ہیں اے کاش کبھی میں نے فلاں کو دوست نہ پکڑا ہوتا۔ لقد اضلنی عن الذکر بعد اذ جاءنی۔ خدا کتنا کریم ہے اس نے اپنی بات اپنی نصیحت اپنا کلام اپنا حبیبؐ اپنے حبیبؐ کی دوستی میرے گھر تک میرے دروازے تک پہنچائی۔ لیکن میرے نا عاقبت شناس دوستوں نے مجھے اس سے جدا رکھا۔ وکان الشیطن للانسان خذولا۔ اللہ کریم فرماتے ہیں شیطان تو تھا ہی انسان کو خجل کرنے کے درپے۔

تو یہاں بات یہ آتی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دوستی شے کیا ہے وہ ہمیں دیتی کیا ہے اور ہم سے لیتی کیا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دوستی ہی کو اسلام کا نام دیا گیا ہے۔ اور اسلام کیا شے ہے اسلام ہے اس دنیا میں انتہائی پُر لطف زندگی گزارنے کا نام۔ یہ جو عام آدمی نے سمجھ رکھا ہے ناکہ اسلام کوئی مصیبت ہے جو انسان پہ اس کے مزاج کے خلاف لاد دی جاتی ہے اور مسلمان بڑی مشکل میں جیتے ہیں یہ بالکل غلط فہمی ہے سراسر غلط فہمی ہے۔ اسلام انتہائی مزے دار زندگی گزارنے کا نام ہے۔ ایک ایسی زندگی کہ جب آپ سونا چاہیں تو وہ نیند سوئیں جو بچے بچپن میں سوتے ہیں اور جب آپ جاگنا چاہیں تو اتنے لطف سے جاگیں کہ کوئی پریشانی آپ کے گرد نہ ہو اور یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ ایک موٹر پہ سوار ہیں آپ اس میں کیسے اطمینان سے بیٹھ سکتے ہیں تب ہی جب اس کا ہر پرزہ اپنا اپنا کام کر رہا ہو اس کے پہیئے درست ہوں اس کا انجن درست ہو۔ اگر کسی کھڑکی کا ایک لاک (تالہ) بھی خراب ہو جائے تو آدمی باہر تو نہیں گرتا لیکن اطمینان سے سفر نہیں کر سکتا۔ ایک انڈیکیٹر چلنا بند ہو جائے ایک اشارہ بند ہو جائے آدمی اطمینان

سے مزے سے سفر نہیں کر پاتا اُس کے دل میں ایک خلش رہتی ہے کہ پتہ نہیں کہاں کس طرح سے ایک حادثہ نہ ہو جائے۔ تو اسلام نام ہے، اپنی زندگی کی گاڑی کو پورے لطف کے ساتھ صحیح سمت میں اور پورے درست انداز کے ساتھ لے جانے کا، اسلام نے انسانی بدن انسانی جسم انسانی مزاج کی کسی ضرورت سے منع نہیں فرمایا۔ اگر نیند آتی ہے تو اسلام سونے سے منع نہیں کرتا سونے کے ایسے حسین اوقات بنا دیتا ہے کہ انسان بیدار بھی رہے اور سو بھی جائے۔

اگر آدھی رات کو اُٹھنے کا حکم دیتا ہے تو دوپہر کے سونے میں بھی، ثواب کی بشارت دیتا ہے اگر تہجد کے لئے اُٹھنے میں اہمیت دیتا ہے تو دوپہر کو کھانا کھا کر سو رہنے پر بھی جنت کی بشارت دیتا ہے، یعنی اسلام نام ہے انسانی وجود کی ضروریات کو اُن کے قاعدے کے مطابق پورا کرنے کا۔ اگر کسی کو اچھا کھانا کھانے کا شوق ہے تو اسلام منع نہیں کرتا۔ کہتا ہے حلال طریقہ سے کماؤ اسے پاک پکاؤ اس میں پلیتی کو شامل نہ ہونے دو اور شکم سیر ہو کر کھاؤ کوئی منع نہیں کرتا۔ اچھا کھانا کھاؤ، اچھا بنا تو بہترین بناؤ، آرام سے کھاؤ۔

آپ دیکھیں اگر رزق حلال نہ لایا جائے، مال اگر چوری کا ہو، رشوت کا ہو، ناجائز ہو تو کیا کبھی کوئی کھا کے بے فکر ہو سکتا ہے! ممکن ہی نہیں ہے۔ اُس کا ہر لقمے کے ساتھ ایک اندیشہ حلق سے اُترتا رہتا ہے۔ کہ کیا خبر کب کوئی حلق کو آ کر پکڑ لے۔ اسلام اس لقمے سے منع کرتا ہے اس لقمے کی طرف دعوت دیتا ہے جس کے پیچھے کوئی اندیشہ نہ ہو اور جسے کھا کر آپ مطمئن سو سکیں۔

انسان کو اسلام نے ازدواجی تعلقات سے روک نہیں دیا۔ جانوروں کی طرح شہوت رانی سے منع کر دیا ہے، جا و بے جا مداخلت سے منع کر دیا ہے اور ہر انسان کو خواہ وہ فقیر ہے یا شہنشاہ ایک عزت نفس دی ہے اور ہر شخص کو ایک حکم دیا ہے کہ اپنی عزت کی حفاظت کرو اور دوسرے کی عزت کو بھی اتنا ہی معزز سمجھو۔

ایک شخص نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں عرض کیا کہ یارسول اللہ میں عورتوں کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ آپ ﷺ اس کام کی مجھے رخصت دے دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگر کوئی یہ کہے کہ تمہارے گھر میں جو تمہاری بہن بیوی یا بیٹیاں ہیں اُن کے بغیر اس کا گزارا نہیں ہو سکتا تو پھر کیا سوچے گا؟

یارسول اللہ ﷺ میں کبھی یہ برداشت نہیں کر سکتا۔

فرمایا دوسروں کو بھی وہ حق دو جو اپنے لئے چاہتے ہو۔ جب تم یہ داشت نہیں کر سکتے جن کے ساتھ تم یہ سلوک کرنا چاہتے ہو تو کیا وہ کسی کی بیویاں، کسی کی بیٹیاں، کسی کی عزت و آبرو نہیں ہیں۔؟ یعنی اسلام نے منع نہیں کیا، روک نہیں دیا مزاج انسانی کو بلکہ جسم کی انسان کی ضروریات کو ایک حسن ایک ترتیب اور ایک ایسا انداز دے دیا ہے کہ وہ واقعی اُسے آرام مہیا کرتا ہے۔ اور اس کے ساتھ ایک نعمت عظمٰی جو عبادت والے کو عطا کی ہے۔ وہ ہے ہر متنفس کا براہِ راست ذاتِ باری سے ہم کلام ہونا اور یہ اتنا بڑا اشرف ہے جو صرف اور صرف اسلام نے انسانیت کو بخشا ہے۔

آپ کسی مذہب میں جائیں تو مذہبی لوگ راستے میں براجمان ہوں گے۔ تمام مذاہب یا علم کا مطالعہ کر لیجیے مذہبی لوگوں تک آپ کی رسائی ہوگی۔ اس سے آگے جسے وہ خدا یا بھگوان یا دیوتا یا جو بھی نام دے دیں اُس تک رسائی اُن لوگوں کی ہی ہوگی اہلِ مذہب کی نہیں ہوگی۔ مذہب کو ماننے والے اُن پروہتوں تک اُن پجاریوں تک اُن لوگوں تک پہنچیں گے جو مذہب کے سربراہ بنے ہوئے ہیں۔ یہ اسلام ہے جس نے ایک عام آدمی، ایک بے کس کا ہاتھ پکڑا ہے اور براہِ راست رب العالمین کے سامنے کھڑا کر دیا ہے

ہر شخص اپنی ذات سمیت اپنے احساسات سمیت اپنی توقعات سمیت اپنی آرزو اور خواہشات سمیت سیدھا رب العالمین کے سامنے کھڑا ہو جاتا ہے۔ اور دن میں پانچ دفعہ کی حاضری خدا نے فرض کر دی ہے ہر کلمہ گو دن میں پانچ مرتبہ براہِ راست رب العالمین سے مخاطب ہے اور پھر اُس شخص کی زندگی کتنی قابلِ رشک ہے جو پانی پیتا ہے تو اللہ سے بات کر کے خدایا میں پی لوں، کتنا عظیم انسان ہے وہ۔ کھانا کھاتا ہے، تو اللہ سے بات کر کے خدایا کھالوں؟ کسی سے دشمنی کرتا ہے تو اللہ کے حکم پہ خدایا اس سے دشمنی کروں اور کسی سے دوستی رکھتا ہے تو اللہ سے بات کر کے خدایا اس کے ساتھ دوستی کروں بیوی کا حق ادا کرتا ہے تو اللہ سے مشورہ کرتا ہے۔ بچوں کی تربیت کرتا ہے تو رب العالمین سے مشورہ لیتا ہے والدین کے ساتھ تعلقات ہیں تو اُن کے لئے اللہ سے پوچھتا ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھتا ہے تو کتنا عظیم انسان ہے وہ اور دنیا کا کوئی دکھ کبھی اُس کے قریب آسکتا ہے ممکن ہی نہیں ہے چونکہ دُکھ اور مصیبت جو بظاہر نظر آتا ہے یہ دُکھ نہیں ہوتا دُکھ اور تکلیف اور ایذا انسان

کے اندر ہوتی ہے بظاہر ایک شخص مصیبت میں بھی نظر آئے اس کا دل مطمئن ہے تو وہ خوش ہے اُس کے لئے وہ راحت ہے اور بظاہر ایک شخص راحت میں بھی نظر آئے اور اندر اُس کے آگ لگی ہوئی ہو تو وہ راحت اُس کے کسی کام کی نہیں ہے۔

تو یہ جو تعلق ہے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس میں اتنی لذت ہے کہ دنیا کے سارے دُکھ راحت بن جاتے ہیں اور یہی لذت دلوں کو مجبور کر دیتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل جائیں۔ آپ نے دیکھا کتنی عجیب بات ہے کتنا لطف اور کتنا رحم ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس میں کہ ایک عالم میں افتراق تھی۔ وکنتم اعداء قرآن کریم اُس دور کا نقشہ کھینچکر عالم انسانیت کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ اے انسانو! تم سب ایک دوسرے کے دشمن تھے باپ بیٹے کا دشمن تھا۔ بھائی بھائی کا دشمن تھا حکمران رعیت کے دشمن تھے اور رعایا حکمرانوں کی دشمن تھی۔ کوئی دنیا میں کسی کا بھلا چاہنے والا نہیں تھا۔ گردنیں کٹتی تھیں انسان چیختے تھے چلاتے تھے عزتیں لٹتی تھیں کوئی اظہار تاسف بھی نہیں کرتا تھا۔ سبھی ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ اللہ کے ایک بندے نے ایک چھوٹی سی پہاڑی پہ کھڑے ہو کر بڑی عجیب بات کہی۔ بالکل اُس دور میں جو جنس نایاب تھی کہیں اُس کا نشان نہیں تھا جو بات کوئی نہیں کہہ رہا تھا اللہ کے رسول ﷺ نے وہ بات کہی فرمایا۔ اے لوگو! ساری مصیبتیں میرے پاس لے آؤ میرے قدموں میں ڈھیر کر دو اور میرے پاس راحتیں ہیں سکون ہے اطمینان ہے مجھ سے لے جاؤ۔ کتنا عجیب سودا ہے اور یہ صرف بات نہیں ہے ہم دیکھتے ہیں تاریخ گواہ ہے اس پر کہ ایک عالم حاضر ہوا حضور ﷺ کی خدمت میں اور جو بھی پہنچا وہ مصیبتیں چھوڑ کر راحتیں لے کر لوٹا اُس کی زندگی بدل گئی اُسے جینے کا مزا آ گیا، یعنی وہ لوگ جو صحرا میں لمبی تان کر سوتے تھے پوری دنیا کا کفر اُن کے خلاف ہو گیا، ابتدائی تین چار سال مدینہ منورہ میں ہجرت کے بعد بھی کوئی شخص رات کھول کر نہیں سویا بظاہر زندگی اتنی تنگ تھی کہ کھانے کو نہیں ملتا تھا لباس ادھورے تھے۔ ہتھیار پورے نہیں تھے اور خطرہ اتنا تھا کہ پوری دنیا کا کفر اس تین ہزار کی ایک چھوٹی سی کچی آبادی کو مٹانے پہ تلا کھڑا تھا۔ اتنی ساری مصیبتوں میں وہ لوگ اتنے خوش تھے کہ

اُن کی زندگی جیسی زندگی کسی کو نصیب نہیں ہو سکتی۔ اتنی راحتیں تھیں اُن کے پاس اتنا لُطف تھا اُن کے جینے میں کتنا مزا تھا اُن کی زندگی میں کہ ایک صحابیؓ نے یہاں تک کہہ دیا کہ یارسول اللہؐ ہمیں جنت نہیں چاہیئے آپؐ ہمارے لئے دُعا کریں۔ یہی کچے گھروندے ہوں آپؐ کی مجلس ہو اور ہم یہیں زندگی بسر کریں۔ یعنی اللہ کا رسولؐ جنت کی تعریفیں بیان کر رہا ہے خود خدا جنت کی تعریفیں بیان کر رہا ہے اور وہ اُس زندگی پہ اتنے خوش ہیں کہ کہتے ہیں خدایا ہم پہ رحم کر ہمارے یہ کچے گھر رہنے دے ہمیں دشمنوں کے نرغے میں ان بھوک اور افلاس کے دنوں میں زندہ رہنے دے یہ بہترین لمحے ہیں۔ اتنی لذیذ جنت نہیں ہو سکتی اور ازراہِ مذاق نہ کہا۔ اس خلوص سے کہا کہ اس کا جواب عرش عظیم سے آیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال فرمایا اللہ تو جنت مانگنے کا حکم دیتا ہے۔ اور اے پھٹے ہوئے لباس والے اے خالی پیٹ، اے فاقہ کش! تو کہتا ہے مجھے جنت نہیں چاہیئے۔ جنت کو سمجھا بھی ہے! تو کہنے لگا یارسول اللہؐ لطف تو آپؐ کی مجلس میں ہے۔ کھانے میں یا سونے میں نہیں ہے جو لذت آپؐ کے ساتھ رہنے میں ہے وہ زندگی میں کہیں نہیں پائی جاتی۔ اب جنت میں آپؐ کے منازل تو بہت بلند ہوں گے۔ تو جب آپؐ کی مجلس نصیب نہیں ہو گی تو جنت میں کیا خاک مزا ہو گا۔ تو اس بات میں اتنا خلوص تھا اتنی تہہ دل سے نکلی تھی کہ اس کا جواب عرش عظیم سے آیا کہ میاں گھبراؤ نہیں جو یہاں حضورؐ کی اطاعت کریں گے وہاں بھی تم نہیں حضورؐ کی خدمت عالیہ میں جانے سے نہیں روکوں گا۔ جبھی یہاں بھی تو گھر سے تم اٹھتے ہو تو مسجد نبوی میں حضورؐ کی مجلس کا لطف اٹھاتے ہو میں تمہیں وہاں بھی نہیں روکوں گا۔ یعنی وہ لذت ہے حضورؐ کی دوستی میں کہ دنیا کی ساری تکلیفیں بھی اگر ٹوٹ پڑیں تو انسان خوش رہتا ہے اور اس کا اظہار ہو گا میدان حشر میں، کہ سب سے بڑا حادثہ رونما ہو رہا ہو گا۔ لیکن خلت مصطفویؐ کا سایہ ایسا ہو گا کہ اُس سائے میں ان کو کوئی حرج نہیں پہنچے گا۔ قیامت کا زلزلہ قائم ہو رہا ہو گا جو اتنا ہیبت ناک ہو گا زمین ٹوٹ رہی آسمان پھٹ رہے ہوں گے لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دوستی کا خیمہ اپنی بہار پہ اپنے جوبن پہ ہو گا۔ یعنی دنیا میں بھی مزے سے جیو حلال کھاؤ صاف ستھری زندگی بسر کرو سچ بولو اطمینان سے سوؤ، اطمینان سے جاگو مزے کی زندگی بسر کرو اور قبر میں، برزخ میں حشر میں بھی ٹھاٹ سے رہو اس کا نام اسلام ہے۔

اور خلافِ اسلام آپ دیکھیں زندگی کا ہر وہ قدم جو غلطی سے بھی خلافِ اسلام ہم اُٹھا لیتے ہیں

وہ ہمارے لئے کتنی پریشانی کا موجب بنتا ہے۔ کوئی بھی شخص کسی کو آپ دیکھیں جو شخص خلافِ اسلام زندگی بسر کرتا ہے وہ کروڑوں جمع کرنے کے بعد بھی بھوک اور افلاس کا شکار ہوتا ہے ہم نے ایسوں کو بھی دیکھا ہے اللہ ایسا بے نیاز ہے کہ گھر پہ اربوں روپے پڑے ہوتے ہیں وہ کھانے کی توفیق نہیں دیتا وہ ساری عمر ان کو ان کے علاج پہ ہی لگائے رکھتا ہے کبھی چین سے سونے نہیں دیتا کوئی لمحہ سکون سے گذر نہیں پاتا۔ یہ صرف اور صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بتایا ہوا راستہ ہے جو دہکتی آگ میں بھی انسان کو اطمینان نصیب کرتا ہے، راحت نصیب کرتا ہے اس کا جینا مزے دار ہوتا ہے اس کی موت جینے سے زندگی سے بھی لذیذتر ہوتی ہے حتیٰ کہ اس راہ میں جو جان ہارتے ہیں تو ارشاد ہوتا ہے۔

حدیث شریف: کہ میدانِ حشر میں ان سے پوچھا جائے گا جو اللہ کی راہ میں قتل ہو جاتے ہیں ۔ دنیا میں سب سے ہیبت ناک فعل تو ہے قتل ہو جانا خوفناک کام تو یہی ہے انہیں اس قتل میں بھی لذت ملتی ہے اُن سے اللہ کریم پوچھیں گے تمہاری کوئی خواہش ہو۔ تو عرض کریں گے بارِ الٰہا یہ خواہش ہے پھر سے دنیا میں بھیج دے اور تیری راہ میں پھر سے قتل کئے جائیں اور وہ لذت پھر سے نصیب ہو۔

تو خداوند عالم نے اُسی میدان کا نقشہ اس انداز سے کھینچا ہے۔ قرآن کریم کا اسلوب بیان دیکھیں پہلے کہتا ہے۔۔۔ آرام کا لمحہ نصیب ہوگا اور عین اُسی لمحے "یوم تشقق السماء بالغمام ونزل الملئکۃ تنزیلا" ایک طرف انتہائی مصائب ہوں گے۔ دوسری طرف اُسی لمحے انہیں لوگوں میں سے کچھ لوگ آرام و راحت میں ہوں گے فرق کیا ہوگا ان دونوں میں فرمایا زندگی میں کچھ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر اپنا آئیڈیل اپنا دوست یا اپنا مقتدا و پیشوا کسی اور کو بنالیا۔ اور یہ لوگ جو سکون میں ہیں انہوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دوستی کا دم بھرا یہ دنیا میں بھی آرام سے رہے، یہاں بھی ان کی عزت ہے وقار ہے آرام ہے۔

اسلام ہر دو عالم کی سلامتی کا نام ہے ہر دو عالم میں پُر لطف زندگی گزارنے کا نام ہے اور آرام سے زندہ رہنے کا سکون سے مرنے کا اور آرام سے آخرت بسر کرنے کا نام اسلام ہے اسلام مصیبت نہیں ہے یہ بہت بڑی نعمت ہے رب کریم کی اور انسان کے لئے اسلام کے علاوہ کہیں راحت ہے ہی نہیں۔ آپ پڑھے لکھے احباب جانتے ہیں کہ دنیا نے کتنے ازم آزمائے

ہیں اور کتنے طرزِ حیات اور تہذیبیں ایسی ہیں
جن کا دورِ حاضرہ میں تجربہ کیا جا رہا ہے کہیں
سکون نام کی کوئی چیز دکھا دیں کہیں اطمینان نام
کا کوئی سانس کسی کو نصیب ہوتا ہوا آپ نے دکھا
دیں۔ کہیں نہیں ہے سوائے اُن لوگوں کے
جن کے دل خدا کی یاد سے معمور ہیں اور سوائے
اُن لوگوں کے جنہیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
سے تعلق حاصل ہے۔

تو میرے بھائی تقلیداً نہیں محض دوسرے
سے سُن کر نہیں خود دنیا آپ کے سامنے ہے
اپنی زندگی دوسروں کی زندگی اپنے حالات دوسرے
کے حالات سامنے ہیں۔

میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ کوئی تجربۃً
ہی کچھ دن اسلام کے مطابق زندگی بسر کر کے
دیکھے کہ اُس کا چھوڑنے کو انشاء اللہ جی نہیں
چاہے گا ایمان کے ساتھ اپنائے تو دو عالم کی لذت
حاصل ہوگی۔ اسلام نام ہے انتہائی مزے
سے زندگی بسر کرنے کا ایک ایسی زندگی ایک
ایسا طرز جس کے کرنے میں نہ یہاں کھٹکا
ہو اور نہ وہاں کھٹکا ہو۔

اللہ کریم ہمیں صحیح سمجھ اور توفیق عمل
نصیب فرمائے۔

وآخر دعوانا
ان الحمد للہ رب العالمین

ضرورت ہے

"المرشد" کے لئے ایک نائب مدیر کی ضرورت ہے جو پرچے
کی ادارت اور دیگر علمی اور انتظامی اُمور میں
مدیر کی مدد کر سکے
اپنی تعلیمی قابلیت اور دیگر اُمور کے ساتھ مدیر المرشد
کے نام خط تحریر فرمائیں۔

نفاذ فقہ جعفریہ کی تحریک

— یا —

نفاذِ اسلام (قرآن و سُنّت) کے خلاف

مُسلّح مُہم؟

ابوارقم انصاری - کراچی

۱۲ر جولائی ۱۹۸۵ء کے اخبارات میں وزیر داخلہ جناب اسلم خٹک صاحب کا وہ بیان شائع ہوا جو انہوں نے پارلیمنٹ کے ایوان بالا (سینیٹ) میں کوئٹہ کے حالیہ واقعہ پر دیا تھا۔ وزیر داخلہ کے بیان سے تین باتیں واضح ہوتی ہیں۔

اوّل یہ ۶ر جولائی ۱۹۸۵ء کو اہل تشیع نے "فقہ جعفریہ" کے نفاذ کا مطالبہ کرتے ہوئے مسلح جلوس نکالا۔ اور پولیس پر فائرنگ کی۔ پولیس نے جوابی کارروائی کی اور اس طرح سے دونوں جانب سے ۲۲- آدمی ہلاک ہوئے۔

دوسرے یہ کہ اہل تشیع کے اس غیر قانونی اقدام میں ایک بیرونی طاقت شریک تھی تیسرے یہ کہ اہل تشیع کے اس مسلح اقدام کا کوئی جواز نہ تھا۔ اس لئے کہ ۱۹۸۰ء کی محاذ آرائی میں ان کے لیڈر جناب جعفر حسین نے حکومت سے اتفاق کر لیا تھا کہ ملکی قانون میں صرف قرآن و سنت یعنی سُنّی مسلک ہی ہوگا مگر شخصی قانون میں شیعہ مسلک پر کوئی پابندی نہیں ہوگی سوال یہ ہے کہ مسئلہ طے پا جانے کے بعد یہ تازہ مسلح مہم کیوں چلائی گئی ہے؟

صحیح صورتِ حال کے لئے اگر وزیر داخلہ کے مذکورہ بیان کو ماضی کے واقعات کی روشنی میں دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ کوئٹہ میں تازہ مسلح مہم دراصل پاکستان میں جاری کردہ نفاذ اسلام کے خلاف لسانی سازش ہے جس کو اندرونی اور بیرونی دشمنان مل کر چلا رہے ہیں کوئٹہ کی حالیہ تخریب کاری سے کچھ پہلے سازش کا مرکز کراچی تھا جہاں ۱۵ر اپریل ۸۵ء کو منی بس سے ایک شیعہ لڑکی بشریٰ زیدی ہلاک ہوگئی تھی۔ اس حادثاتی ہلاکت کی آڑ میں شرپسندوں نے قتل و غارت گری کا بازار گرم کر دیا۔ اور درجنوں مسلمانوں کو شہید کر دیا۔ اس سے قبل اسی کراچی میں جنوری ۸۳ء میں مرکزی امام باڑہ لیاقت آباد سے سُنّی مسلمانوں پر فائرنگ کی گئی تھی اور تلاشی پر امام باڑہ سے اسلحہ

یہ آمد ہوا تھا جس کی تفصیل حکومت کے پریس نوٹ میں بتائی گئی تھی۔ اس سے پہلے جولائی ۱۹۸۰ء میں اہل تشیع نے اپنا مطالبہ بزور قوت منوانے کے لئے ایوانِ صدر کا گھیراؤ کیا تھا۔ لیکن اس وقت صدر ضیاء الحق صاحب کی فراست سے خونیں ڈرامہ کھیلا نہ جا سکا۔ اور شیعہ لیڈر جناب جعفر حسین نے حکومت کا مندرجہ بالا فارمولا تسلیم کر لیا تھا۔

۱۹۸۰ء سے ۱۹۸۵ء تک کے مندرجہ بالا غیر قانونی واقعات کے پس پردہ سازش یہ تھی کہ نفاذ اسلام (قرآن وسنت) کو ناکام بنایا جائے جس کا آغاز صدر ضیاء الحق صاحب نے ۱۹۷۹ء میں کیا تھا۔ ابتدا غیر سودی معیشت سے ہوئی پھر نظام زکوٰۃ نافذ کیا گیا۔ بس پھر کیا تھا اہل تشیع نے زکوٰۃ کے خلاف ہنگامہ بپا کر دیا۔ حالانکہ زکوٰۃ نہ صرف اسلام کا بنیادی رکن ہے بلکہ اس کے ادا نہ کرنے والوں سے اسلامی ریاست جہاد کر سکتی ہے جس کا فیصلہ خلیفۂ بلافصل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قرآن وسنت سے فرما دیا تھا۔ اس کے باوجود اہلِ تشیع نے حکومت پاکستان پر دباؤ ڈال کر خود کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ کرا لیا اور یوں نفاذِ اسلام کو ناکام بنانے کا سلسلہ عملاً شروع کر دیا جو ۱۹۸۰ء سے آج ۱۹۸۵ء تک جاری ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ نفاذ اسلام کے خلاف یہ مسلسل مہم اور محاذ آرائی کیوں جاری وساری ہے۔ کیا اہل تشیع مسلمان نہیں؟ (واقعی نہیں) کیا ان کے عقائد کا تعلق اسلام سے نہیں ہے؟ (یقیناً نہیں ہے)

ہر مسلمان جانتا ہے کہ اسلام کی بنیاد (قرآن وسنت ہے اور یہ اسلامی (سُنّی) ملک بھی ہے پھر یہ کہ دین اسلام میں کلمہ طیبہ، اللہ کی الوہیت، توحید، رسالت، آخرت الکتاب (قرآن مجید) دین کی اساس اور مبادیات دین ہیں۔ جن میں نہ کوئی کمی بیشی کی جا سکتی ہے نہ ہی کوئی ترمیم وتحریف۔ اسلام کے ان بنیادی اصولوں کی کسوٹی پر شیعہ عقائد کو بآسانی پرکھا جا سکتا ہے شیعہ عقائد کی تفصیل ان کے بچوں کی مذہبی درسی کتب اور خمینی صاحب کی جدید ترین کتابوں سے لے کر ان کی قدیم ترین کتاب "الکافی" مصنفہ یعقوب کلینی (۲۵۰ھ تا ۳۲۹ھ) جو ان کی مستند ترین کتاب ہے ہیں موجود ہے ان تمام شیعہ کتب کی تعلیمات اور معتقدات کا نچوڑ اور مختصر خلاصہ درج ذیل ہے۔ جو قابلِ توجہ ہے۔

۱۔ اولین اور اہم ترین نکتہ یہ ہے کہ شیعہ مذہب میں کلمہ طیبہ جو اسلام کی بنیاد ہے بدل دیا گیا اور اس میں اضافہ کر کے یوں بنایا گیا۔

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہ وصی رسول اللہ وخلیفتہ بلافصل۔

یہ ہے تحریف کردہ شیعہ مذہب کا کلمہ جس کے خط کشیدہ اضافی الفاظ شیعہ اذان میں بھی داخل کر لئے گئے ہیں اور جو ہر شخص ہر روز سنتا

رہتا ہے۔ اس شیعہ کلمہ و اذان کی تعلیم نہ تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی نہ ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے۔ اس شیعہ کلمہ سے نہ صرف کلمہ اسلام مسخ ہو جاتا ہے بلکہ رسالتمآب کا انکار بھی ہو جاتا ہے (جو صریح کفر ہے) اس شیعہ کلمہ میں حضرت علیؓ کو خلیفۂ رسولؐ بلافصل بنا کر پہلے تینوں خلفائے راشدین کی نفی بھی کی گئی ہے اور انہیں یعنی حضرت ابوبکر حضرت عمر اور حضرت عثمان رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین کو خلافت کے غاصب قرار دیا گیا ہے جبکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات ہی میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کو امامت مسجد نبوی سونپ کر خلیفہ اول (خلیفہ بلافصل) کا فیصلہ اور حکم رسالت صادر فرما دیا تھا۔ لہٰذا شیعہ کلمہ اور انکارِ خلیفہ اول سراسر انکارِ رسالت ہے (جو صریح کفر ہے) اس میں انکارِ رسالت بھی ہے، انکارِ خلفائے ثلثہؓ بھی ہے اور جملہ صحابہ کرامؓ کا بھی انکار ہے جنہوں نے اپنے ان خلفا سے بیعت کی تھی۔ مزید برآں جب رسالت پر ہی ایمان نہ رہے تو ختم نبوت پر بھی ایمان نہیں رہتا۔ مختصر یہ کہ شیعہ کلمہ نے تمام ذرائع اسلام یعنی خاتم النبیینؐ خلفائے راشدینؓ اور صحابہ کرامؓ سب کی نفی کر کے خود اسلام ہی کی نفی کر دی۔ اور اس طرح کلمۂ اسلام کو کلمۂ کفر میں تبدیل کر دیا ہے۔

۲۔ کلمہ طیبہ کی طرح قرآن مجید بھی اسلام کی اساس ہے ہر چند کہ کلمۂ طیبہ میں مذکورہ تحریف و ترمیم سے قرآن مجید پر بھی ایمان نہیں رہتا تاہم شیعہ مذہب میں یہ وضاحت بہ تکرار موجود ہے کہ موجودہ قرآن اصلی قرآن نہیں ہے۔ اور یہ کہ اصل قرآن تو موجودہ قرآن سے تین گنا ہے اور اصل قرآن میں سترہ ہزار آیات ہیں اور اس میں ایک حرف بھی موجودہ قرآن کا نہیں ہے اور اصل قرآن تو "امام غائب" لے کر غائب ہو گیا ہے اور وہ اسے قرب قیامت لے کر واپس آئے گا۔ اور پڑھ کر سنائے گا تو سب کو معلوم ہو جائے گا کہ اصل قرآن میں موجودہ قرآن کا ایک حرف بھی نہیں۔

(اور یہ حقائق ان کے اماموں کے اقوال ہیں اس لئے آج اگر کوئی شیعہ یہ کہے کہ ہم تو اسی قرآن پر ایمان رکھتے ہیں، تو اس کا کہنا بے معنی ہے۔ اس کا فرض ہے کہ امام کا قول پیش کرے کیونکہ امام کے قول کے مقابلے میں کسی دوسرے کا قول کوئی معنی نہیں رکھتا دوسرا یہ کہ یا وہ اعلان کرے کہ جو تحریف قرآن کا عقیدہ رکھتا ہے وہ کافر ہے پھر دیکھتے ہیں کہ یہ لوگ اپنے اماموں کو اور اپنے علما کو کیونکر مسلمان ثابت کر سکتے ہیں)

۳۔ چونکہ قرآن مجید اور رسالت محمدی (کتاب و سنت) مسلمانوں کے لئے تا قیامت دائمی حجت ہیں اور شیعہ مذہب میں ان دونوں ماخذ اسلام کی صرف نفی پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ ان دونوں پر مستقل خطِ تنسیخ کھینچنے کے لئے ایک متوازی سلسلہ امامت تا قیامت بنا دیا گیا۔ اس سلسلۂ امامت میں حضرت علیؓ اور دیگر بزرگانِ اسلام کا نام بطور شیعہ ائمہ ناجائز طور پر استعمال کیا گیا پھر یہ کہ ان ائمہ کو نہ صرف انبیاءؑ کی طرح معصوم اور صاحبانِ وحی قرار دیا گیا بلکہ انہیں تمام انبیاءؑ و رسلؑ سے افضل بتایا گیا۔ حد تو یہ ہے کہ ان ائمہ کو ختم رسل صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی بلند و بالا اور ارفع ثابت کرنے کے لئے کہا کہ ائمہ کو ہر ہفتے معراج ہوتی ہے جبکہ خاتم النبیینؐ صلی اللہ علیہ وسلم کو زندگی میں صرف ایک بار معراج ہوئی تھی۔ اور یہ کہ ان کے ائمہ کو حلال کو حرام اور حرام کو حلال کرنے کا اختیار ہے۔ جس میں ان کی اطاعت فرض واجب ہے۔ اس طرح شیعہ مذہب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت پر قیامت تک آئمہ کی بالادستی قائم کی گئی ہے اور اس کے بعد ائمہ کا رشتہ الوہیت سے جوڑ دیا گیا ہے مثلاً شیعہ مذہب کے مطابق ان کے ائمہ عالم الغیب ہیں۔ وہ کون و مکان دنیا و آخرت کے مالک ہیں وہ جس کو چاہیں دے دیں جس کو چاہیں محروم کر دیں اور وہ کائنات کے ذرّے ذرّے پر حکمران ہیں غرضیکہ شیعہ مذہب نے الوہیت الٰہی کا انکار کر کے توحید کو شرک بنا دیا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اللہ کی الوہیت ہو یا کلمہ طیبہ کی صداقت رسول کی رسالت ہو یا خلفائے راشدین کی خلافت قرآن کریم کی ہدایت ہو یا صحابہ کرامؓ کی حقانیت۔ اہل تشیع نے پورے کے پورے اسلام پر خطِ تنسیخ پھیر دیا۔ اسلام کو رد کرنے کے اس منفی طریق کار سے جو مذہبی خلا پیدا ہوا اس کو مثبت طریقے سے پُر کرنے کے لئے ایک نئے مذہب کی ضرورت تھی۔ لہٰذا اسلام کے خلاف ایک مذہب ایجاد کر کے اس کا نام "فقہ جعفریہ" رکھ دیا گیا۔ تاکہ مسلمانوں کو یہ مغالطہ ہو کہ یہ اسلام ہی کا کوئی فقہ اور فرقہ ہے۔ اس فقہ کا لُبِ لباب آگے موجود ہے۔

۴۔ فقہ جعفریہ کی اصل بنیاد اصول تقیہ (منافقت) ہے فقہ جعفریہ کے مطابق شیعہ مذہب کا نوے فیصد یعنی ۹/۱۰ حصہ صرف ایک اصول "تقیہ" پر مشتمل ہے۔ تقیہ کے معنی یہ ہیں کہ اپنے قول و فعل سے اصل حقائق کے خلاف ظاہر کیا جائے یہاں تک کہ اپنے اصل عقائد کے خلاف بھی عملاً ظاہر کیا جائے تاکہ دوسروں کو

دھوکا دیا جا سکے۔ چنانچہ اس فقہ یا مذہب کے پیروکار تقیہ کر کے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے ہیں۔ یہ ہوا اس فقہ کا نوے فیصد فریضۂ لازم۔

۵۔ تقیہ دس فیصد شیعہ فرائض مشتمل ہیں دو اصولوں پر ایک اصول تبرا۔ دوسرا متعہ۔ یہاں تبرا کی حقیقت پیش کی جا رہی ہے۔ تبرا یہ ہے کہ دین اسلام (قرآن و سنت) کے پیروکاروں کے خلاف عداوت رکھنا۔ ان سے نفرت کرنا ان پر لعن طعن کرنا۔ خصوصاً صحابہ کرام رض کی شان میں بکواس کرنا اور زبان سے باقاعدہ لعنت و ملامت کرنا بالفاظ دیگر تبرا کا دوسرا نام گالیاں بکنا ہے جس کے لئے شیعہ مجالس کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ جو بزرگان اسلام سے متعلق ہیں مثلاً یہ کہ تمام صحابہ کرامؓ بالخصوص خلفائے ثلاثہؓ کافر، مرتد، جہنمی و لعنتی ہیں اور یہ کہ کفر سے مراد ابوبکر، فسق سے مراد عمر اور عصیان سے مراد عثمان ہیں اور یہ کہ عائشہ اور حفصہ امہات المومنین منافقہ تھیں اور یہ کہ ابوبکر کی بیعت سب سے پہلے ابلیس نے کی اور علی نے ان کی بیعت بطور تقیہ کی تھی بزرگان اسلام کے خلاف شیعہ تبرا یعنی بغض و عناد کی انتہا یہ نظریہ اور عقیدہ ہے کہ امام غائب جب ظاہر ہوں گے تو ابوبکر و عمر کو قبروں سے نکالیں گے اور زندہ کریں گے پھر ان دونوں کو ہزار بار سولی پر چڑھائیں گے۔ (استغفر اللہ) ان چند اشاروں سے ہی اصول تبرا کی گالیوں اور غلاظتوں کی حقیقت معلوم ہو جاتی ہے۔

۶۔ تقیہ اور تبرا کے بعد وہ آخری اصول جس سے شیعہ مذہب (فقہ جعفریہ) مکمل ہو جاتا ہے وہ ہے اصول متعہ۔ متعہ کا مطلب ہے عارضی طور پر کم سے کم مدت کے لئے مرد و عورت کا باہمی جنسی تعلق، خواہ جنسی تمتع گھنٹہ بھر کا ہو یا چند گھنٹوں کا اور خواہ یہ جنسی تلذذ ایک رات کے لئے ہو یا چند راتوں کے لئے۔ اہل تشیع کے ہاں یہ عمل زنا نہیں۔ اعلیٰ درجے کی عبادت ہے۔ جس کا ثواب یہ ہے کہ جو ایک دفعہ متعہ کرے وہ حسینؓ کا درجہ پائے جو دو مرتبہ کرے وہ حسنؓ کا جو تین بار کرے وہ علیؓ کا اور جو چار مرتبہ کرے وہ رسول کریمؐ کا درجہ پائے (استغفر اللہ) تقیہ اور تبرا جیسے غیر اخلاقی اصولوں کے بعد یہ ہے وہ غلیظ ترین اصول۔ متعہ جس سے شیعہ مذہب تکمیل پاتا ہے۔ اور فقہ جعفریہ کو چار چاند لگتے ہیں غرضیکہ درج بالا چھ نکات میں وہ شیعہ مذہب مضمر ہے جسے حضرت جعفر صادق سے

منسوب کر کے "فقہ جعفریہ" کا نام دیدیا گیا ہے اور جس میں حضرت علیؓ کو امام اوّل ظاہر کیا گیا ہے حالانکہ مذکورہ خرافات کا تعلق نہ حضرت علیؓ سے ہے نہ حضرت جعفر صادق سے۔ سچ تو یہ ہے کہ ایسی خرافات سے کسی بھی صحیح الدماغ آدمی کا تعلق نہیں ہو سکتا۔ یہ تو ان لوگوں کی سازش ہے جو روزِ اوّل سے غلبۂ اسلام کو سبوتاژ کرتے چلے آ رہے ہیں۔ اور اسلام سے خوفزدہ ہو کر اسلام کا لبادہ اوڑھ کر اسلام ہی کو مسخ کرتے رہے ہیں۔ لہٰذا آج بھی انہیں اسلام (قرآن و سنت) کا نفاذ گوارا نہیں اور اسی لئے وہ مفسدین کوئٹہ میں مسلح ہو کر تک جا پہنچے۔ بقول وزیر داخلہ جناب اسلم خٹک صاحب یہ اہل تشیع ملک میں قرآن و سنت (سنی مسلک) سے خائف ہیں تاہم وزیر داخلہ نے بجا طور پر ایک اعلیٰ سطحی کمیٹی کا سرکاری اعلان فرمایا ہے جو از سرِ نو شیعہ مسلک کا جائزہ لے گی۔ تاکہ نفاذ اسلام کی تکمیل کو یقینی بنایا جا سکے۔ مسئلہ کے مستقل حل کے لئے اس سرکاری کمیٹی کی خدمت میں تین تجاویز حاضر ہیں :-

الف:- چونکہ پاکستان کے آئین میں قرآن و سنت (سُنّی مسلک) ہی ملکی قوانین کی اساس ہے اس لئے اس کے خلاف کوئی بھی مطالبہ اور مہم قابل سزا جرم قرار دیا جائے۔ البتہ شخصی قوانین میں اہل تشیع کو بھی ملک کی دوسری اقلیتوں کی طرح آزادی دی جائے۔ بشرطیکہ حکومت پاکستان کے صدارتی آرڈیننس مجریہ ستمبر ۱۹۸۰ء برائے تحفظ ناموس صحابہؓ پر سختی سے عملدرآمد کیا جائے۔ اس صدارتی آرڈیننس کی رو سے نہ صرف یہ کہ صحابہ کرامؓ پر کھلم کھلا تبرّا ممنوع قرار دیا جائے بلکہ شیعہ اذانیں بھی (جس میں علی الاعلان حضرت علیؓ کو خلیفہ بلا فصل کہہ کر خلفائے ثلاثہ کو غاصبین کہا جاتا ہے) جو فنکارانہ تبرّا بازی ہے اس کو فی الفور ممنوع قرار دیا جائے۔ ان پابندیوں کا اطلاق ابلاغ عامہ مجالس عزا اور جلوسوں پر بھی ہو۔ اور یہ اپنی عبادت گاہ یعنی امام باڑہ میں کریں۔

ب۔ جہاں تک اہل تشیع کے سیاسی حقوق کا تعلق ہے اس کے لئے فیاضی اور فراخدلی کا تقاضا تو یہ ہے کہ انہیں پاکستانی آبادی کا صرف ۲ فیصد ہوتے ہوئے بھی وہ کچھ دیدیا جائے جو شیعہ سٹیٹ ایران میں مسلمانوں (سُنّیوں) کی چالیس فی صد آبادی کو آج بھی حاصل ہے ایران میں آج کل کوئی مسلمان (سُنّی) نہ رکن اسمبلی ہے۔ نہ وزیر ہے نہ گورنر ہے نہ ہی کسی اور کلیدی عہدے پر فائز ہے وہاں تو مسلمانوں

(سُنیوں) کو مسجد بنانے کی اجازت نہیں ہے یہاں تک کہ ایران کے سب سے بڑے شہر تہران میں ان مسلمانوں (سُنیوں) کی ایک بھی مسجد اب تک نہیں ہے۔ اس صورت حال کے باوجود پاکستان میں بہتر یہ ہوگا کہ اہل تشیع کے ساتھ فیاضی اور فراخدلی سے بڑھ کر احسان کا سلوک کیا جائے۔ یعنی یہ کہ انہیں کلیدی مناسب سے تو فی الفور خارج کر دیا جائے۔ مگر اسمبلی میں انہیں اقلیت نشستیں ضرور دی جائیں۔ اور یہ کہ ان کے موجود تمام امام باڑے برقرار رکھے جائیں بشرطیکہ مندرجہ بالا شق (الف) کی جملہ پابندیاں روبہ عمل لائی جائیں اور امام باڑے اسلحہ سے پاک رکھے جائیں۔

ج۔ اسلامی نظریاتی کونسل کی تجویز کے مطابق جو دولتمند اہل تشیع اور دیگر اقلیتیں زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہیں ان سے ڈھائی فیصد فلاح معاشرہ ٹیکس وصول کیا جائے تاکہ وہ بھی اس ملک کو اپنا ہی ملک سمجھیں۔

اب تکریہ
ماہنامہ "الحق"
اکوڑہ خٹک)

قارئین المرشد سے

اگر آپ نے نئے سال یعنی محرم الحرام سے شروع ہونے والا سال کا چندہ ابھی تک ۴۵/- روپے ادا نہیں کیا تو براہِ مہربانی جلد از جلد روانہ فرما دیجیے۔ بصورت دیگر وی پی کا خرچہ آپ کے ذمہ پڑ جائے گا۔

"ادارہ"

حافظ عبدالقیوم بی، اے

معاشرتی برائیوں کا ذمہ دار...... مرد ہے یا عورت؟

اس سوال کا جواب تلاش کرنے کے لئے سب سے پہلے یہ معلوم کرنا پڑے گا کہ یہ کیونکر معلوم ہوا کہ معاشرے میں بگاڑ پیدا ہو چکا ہے۔ وہ کونسا پیمانہ یا معیار ہے جس سے ناپ کر ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ معاشرہ میں بیماریاں پھیل رہی ہیں؟

پھر یہ معلوم کرنا ہو گا کہ وہ بیماریاں انسانی زندگی کے کس پہلو سے متعلق ہیں۔ یعنی وہ اعتقادی ہیں یا عملی ہیں، اخلاقی ہیں یا روحانی، مالی ہیں یا جانی؟

پھر یہ معلوم کرنا پڑے گا کہ معاشرتی برائیوں کا شکار مرد ہیں یا عورتیں یا دونوں؟ بچے ہیں، جوان ہیں یا بوڑھے ہیں یا کوئی دو گروپ ہیں یا سب ہیں پھر جا کر کہیں یہ فیصلہ ہو گا کہ اس کی ذمہ داری مرد پر عائد ہوتی ہے یا عورت پر۔

آئیے سب سے پہلے وہ پیمانہ تلاش کریں۔ ظاہر ہے کہ وہ پیمانے مختلف ہو سکتے ہیں مثلاً انسانی فکر اور فلسفہ اخلاق کا پیمانہ، بنیادی انسانی اخلاق کا پیمانہ، معاشی انصاف کا پیمانہ وغیرہ مگر ہم تو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں نہیں بلکہ دنیا میں اسلام کے نفاذ کے مدعی بھی ہیں اس لئے ہمیں کہیں سے یہ پیمانہ مستعار لینے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ ہمیں تو اللہ و رسول ؐ نے نہ صرف یہ پیمانہ دیا۔ بلکہ اللہ کے آخری رسول ؐ نے اس پیمانے سے ناپ کر ایک ایسا معاشرہ تیار کیا جس کی نظیر انسانی تاریخ میں نہیں ملتی اور پھر رب العالمین نے تاکید بھی فرما دی کہ قیامت تک آنے والے ہر معاشرے کی قدر و قیمت ناپنے کے لئے یہی پیمانہ استعمال کیا جائے گا۔

وَالذین اتبعوھم باحسان۔ رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ۔ اور اگر اس پیمانے کی قدر و قیمت نہ پہچانی اور خود ساختہ پیمانہ لے بیٹھے تو امن و سکون کے لئے ترستے ہی رہو گے جبھی تو ایک غیر مسلم مفکر جارج برناڈ شاہ کو کہنا پڑا کہ:۔

"اگر پوری دنیا ایک سلطنت بن جائے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) حکمران ہوں تو دنیا کو امن و سکون مل سکتا ہے اور بس"

جب ہم اپنے معاشرے کا تنقیدی جائزہ لیتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بگاڑ کی بنیادی وجہ فکری یا اعتقادی بگاڑ ہے۔ مسلمان بس رسمی مسلمان ہیں یا مذہب ورثے میں ملا اور مسلمان گھروں میں پیدا ہو جانے کا حادثہ رونما ہو گیا۔ ورنہ وہ نہ تو اپنے خالق کو پہچانتے ہیں نہ خالق سے شناسا کرنے والے محسن کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے واقف ہیں بس ع

رکھ لیا اچھا سا اک نام اور مسلماں ہو گئے

بلکہ اب تو اچھا سا نام رکھنے کا تکلف بھی ختم ہو گیا۔ حیرت ہوتی ہے جب مسلمان کا نام محمد پرویز یا پرویز احمد یا پرویز الٰہی سنتے ہیں کیونکہ پرویز تو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کا دشمن تھا اس کا نام اللہ و رسول کے نام سے جوڑ کر خوش ہونا بھلا کسی مسلمان کی غیرت ایمانی برداشت کر سکتی ہے مگر بھلا ــــ اندھیر ہو رہا ہے بجلی کی روشنی میں

کہتے ہیں بچے کا پہلا مدرسہ ماں کی گود ہے۔ اور پچھلے دنوں میں یہ عام مشاہدہ تھا کہ بچے جب بولنا سیکھتے تھے، مائیں انھیں کلمہ پڑھاتی تھیں اللہ و رسول ﷺ کا نام بتاتی تھیں، اللہ و رسول ﷺ کا تعارف کراتی تھیں۔ اور اب یہ حال ہے کہ بچہ جب بولنا سیکھنے لگتا ہے بولنا کم ہے گانا زیادہ ہے اور اس کی زبان پہ یا تو یہ ہوتا ہے کہ ع

دو گُتاں کر میریاں مائے میرے نی مینوں بڑا چاء

یا وہ یوں گنگناتا پھرتا ہے ــــ آجا چوری چوری آجا چوری چوری

ایسے حالات میں ظاہر ہے بچے کو اخلاقی اقدار سے واقفیت کیونکر ہو گی۔

بچہ جب بڑا ہوتا ہے تو سکول میں بھیج دیا جاتا ہے۔ سکولوں کے نصاب کا یہ حال ہے کہ وہاں ایسی مہمل کتابیں داخلِ نصاب ہیں کہ کیا کہنا جہاں پہلے اسمٰعیل میرٹھی کی نظمیں کہ

"رب کا شکر ادا کر بھائی، جس نے ہماری گائے بنائی"

وغیرہ پڑھائی جاتی تھیں وہاں اب ایک تھا ڈکا ٹوٹ بٹوٹ کی دھن پہ رقص کرایا جاتا ہے ایسے حالات کو دیکھ کر کہا گیا تھا ع

گلا گھونٹ دیا اہل مدرسہ نے ترا ٭ کہاں سے آئے صدا لا الٰہ الا اللہ

سکول سے فارغ ہوئے تو یونیورسٹی میں پہنچے۔ یونیورسٹی کی سطح کا کوئی مضمون لے لیجئے۔ آپ کو اس کا ثبوت ملے گا کہ یہاں اچھا ڈاکٹر بنانے کا انتظام ہے۔ اچھا انجنیئر، اچھا وکیل اچھا فلسفی اچھا سائیکالوجسٹ وغیرہ بن سکتے ہیں مگر کسی سطح پر بھی اچھا انسان بنانے کے لئے نصاب میں کوئی گنجائش نہیں رکھی گئی۔ اسی وجہ سے کسی دل جلے نے نازک اندام کالج کو مخاطب کر کے کہا تھا ؎

زندگی طوفان ہے اور ناؤ ہو تم پاپ کی
آہ جیتی جاگتی کم بختیو ماں باپ کی

فکر و عقیدہ کی خرابی اور بگاڑ کی صورت یہ ہے کہ آج کا انسان کا فرانہ لیقین اور مومنانہ بے یقینی کے دو پاٹوں کے درمیان پس رہا ہے۔ اگر یہ اپنے خالق سے آشنا ہوتا اور یہ محسن کائنات کے احسانات کا شعور رکھتا تو اس کے ہر قدم پر آخرت کی جوابدہی کا احساس، اسے بھٹکنے سے روک دیتا۔ مسلمان کا آخرت پر ایمان کتابوں میں ضرور موجود ہے زبانوں پر بھی کچھ نہ کچھ سنا جاتا ہے۔ مگر دل اس کے یقین سے خالی ہیں الا ماشاء اللہ۔ پھر بگاڑ پیدا نہ ہو تو اور کیا ہو۔ بگڑنے سے اور بگاڑنے سے روکنے والی صرف ایک طاقت ہے اور وہ ہے آخرت کی جوابدہی کا یقین یہ یقین جہاں جتنا کمزور ہو گا وہاں اتنا ہی بگاڑ پایا جائے گا۔ اب اس ساری کاروائی میں غور سے دیکھیئے ہر مقام پر مرد اور عورت دونوں ذمہ دار نظر آتے ہیں بشماریات میں ایسا کوئی پیمانہ نہیں جس کے ذریعے یہ معلوم کیا جا سکے اور حتمی طور پر معلوم کیا جا سکے کہ اس بگاڑ میں کتنے فی صد مرد کا حصہ ہے۔ اور کتنے فی صد کی عورت ذمہ دار ہے۔

رہا سوال عملی بگاڑ کا۔ تو عمل کا درخت عقیدہ کے بیج ہی سے اُگتا، نشوونما پاتا اور پھل لاتا ہے۔ جب جڑ ہی دیمک خوردہ ہے تو عمل کا درخت کیا پھل لائے گا جب بیج ہی کڑوا کسیلا ہے تو پھل کہاں میٹھا ہو گا۔ یہ چوریاں، دن دیہاڑے ڈاکے، بسوں کا لٹنا یہ غبن یہ رشوت سب آخرت کے انکار کے بیج سے اُگنے والی فصلیں ہیں، یہ سارا جھاڑ جھنکاڑ اسی لسی کی گانٹھ کے کرشمے ہیں۔

اخلاقیات کے میدان میں سینما، ٹی وی اور ریڈیو نے وہ گل کھلائے ہیں کہ

اخلاق کا دیوالہ ہی نکال کے چھوڑا ہے۔ اس حمام میں گلوکار اور فلم سٹار سب ننگے ہیں۔ پھر ستم بالائے ستم یہ کہ اس خدمت کے عوض اب حکومتی ایوارڈ تمغے اور انعامات بھی انہی کو ملتے ہیں۔ بلکہ اسی گروہ کے طائفے ملکی تمدن اور معاشرت کا نمونہ پیش کرنے کے لئے غیر ممالک میں بھی بھیجے جاتے ہیں۔ کسی مسخرے نے کیا خوب کہا تھا۔ اس ملک میں عالم صرف تین ہیں۔ ایک عالم چنا، ایک عالم لوہار اور ایک زنانہ عالم اور بس۔
اندریں حالات یہ کہنے میں کوئی مبالغہ نہیں کہ معاشرہ کے بگاڑ کے ذمہ دار مرد اور عورت دونوں ہیں۔ البتہ اب ان میں مقابلہ ہو رہا ہے کہ اس بگاڑ کا ایوارڈ کس کو ملتا ہے۔ ؎

ہم ہوئے تم ہوئے کہ میر ہوئے
اس کی زلفوں کے سب اسیر ہوئے

آپ کی اطلاع کیلئے

یکم اگست ۱۹۸۵ء سے دارالعرفان میں برانچ پوسٹ آفس کا اجراء ہو چکا ہے۔

ڈاک کا سلسلہ نئے ڈاکخانہ سے شروع ہو گیا ہے۔

آئندہ آپ صرف اس پتہ پر خط و کتابت کیا کریں۔

”مقام و ڈاکخانہ دارالعرفان ضلع چکوال“

المرشد کے دفتر چکوال سے خط و کتابت کے لئے ایڈریس الحسنات منزل چکوال

فون پر رابطہ کے لئے منارہ فون ۱۸ چکوال ۵۹۹

احمد نواز گوجرہ

"باوقوف" اور "بے وقوف"

سُنا کرتے تھے کہ بے وقوف کی دوستی سے عقلمند کی دشمنی اچھی ہوتی ہے۔ لیکن یہ تو اپنی اپنی سمجھ کی بات ہے کہ کسی کو بے وقوف کی دوستی پسند ہو اور کسی کو عقلمند کی دشمنی اچھی لگتی ہو۔

بات دراصل یہ تھی کہ چند روز پیشتر ہمارے شہر گوجرہ میں ایک ڈرامہ ہوا جس کا نام تھا "بے وقوف" ہم نے تو یہی سُنا تھا کہ لوگ بے وقوفوں سے نفرت کرتے ہیں کوئی ان کے پاس بیٹھنا، مشورہ کرنا تک گوارہ نہیں کرتا تھا۔ نہ ان کی کوئی حرکت ایسی ہوتی ہے جسے کوئی صاحبِ عقل تسلیم کرے چہ جائیکہ کوئی بے وقوف کو دیکھے تو اس کی راہ میں آنکھیں بچھائے اور دل وجان سے اس پر فریفتہ ہو

معاملہ یہاں بھی کچھ ایسا ہی نظر آیا۔ جونہی یہ "بے وقوف" شہر میں وارد ہوا۔ افسروں نے، تاجروں نے، عوام نے، طالب علموں نے بڑی شفقت کے ساتھ اس "بے وقوف" کے ماتھے کو چوما اور اسے اپنے سینے سے لگایا۔ جسے دیکھ کر میں یہ سوچنے پر مجبور ہوگیا کہ شاید یہ "بے وقوف" پورا بے وقوف نہ ہو بلکہ آدھا یا کم ذہین بیوقوف ہو۔

ہاں تو سب سے پہلے یہ بے وقوف رئیس شہر یعنی اے، سی اور اسسٹنٹ رئیس شہر یعنی آر۔ ایم صاحب کے پاس پہنچا تو انھوں نے اس کو عقلمند ہونے کا احساس دلایا۔ جس کے بعد یہ بلا خوف وخطر ہوٹلوں، ٹی، وی سنٹروں طالب علموں سے ہوتا ہوا دوکانداروں کے پاس بھی پہنچا۔

دو معززینِ شہر جو کل تک عیدِ میلاد النبی کا چندہ مانگنے تشریف لایا کرتے تھے آج بے وقوف کے لئے ٹکٹ ہاتھ میں لئے چندہ مانگنے تشریف لائے۔ آج واقعی یہ بے وقوف شاباش کا حقدار ٹھہرا کہ جس کے لئے عقلمند سرگرداں تھے۔

میں نے انکار کیا کہ میں ٹکٹ نہیں لوں گا۔ میرے انکار پر انہوں نے کہا کہ ہم اے سی صاحب اور آر، ایم صاحب کے حکم سے آئے ہیں۔ یہ ان کا آرڈر ہے کہ ٹکٹ خریدے جائیں لیکن جسے ٹکا سا

جواب ملا تو محسوس ہوا کہ یہ خود بھی اندر سے کسی سے خائف ہیں۔

میں نے دل میں کہا "ہمت تیرے کی" تجھ سے تو مسجد کا چندہ لینے والا مولوی دلیر ہوتا ہے۔ اسے کوئی نہ بھی دے تو اسے کوئی ڈر تو نہیں ہوتا کہ کوئی کہے گا کہ نالائق تو چندہ اکٹھا کر کے کیوں نہیں لایا۔

اور اب یہ تو ایک اندازہ ہے کہ رئیس شہر اور اسسٹنٹ رئیس شہر کی یہ ذاتی دلچسپی ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ رئیس شہر کو رئیس ضلع نے اور رئیس ضلع کو رئیس صوبہ نے حکمنامہ جاری کیا ہو کہ اوپر سے یہ آرڈر آیا ہے کہ اگر کوئی شخص بے وقوف کو دیکھتا ہوا نظر نہ آیا تو تمہاری خیر نہیں۔

پورے شہر میں جگہ جگہ "بے وقوف" کے بینرز لگے ہوئے تھے۔ جب قوم کے مستقبل کی نظر ان پر پڑتی تو زور سے کہتے "اوے بے وقوف" اور آگے چلنے والا شریف آدمی ایک بار تو ٹھٹھک جاتا کہ کس نے مجھے اس عزت سے مخاطب کیا ہے!

پھر شہر میں منادی والے نے منادی کی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ اوئے بے وقوف ۔ ۔ ۔ آج ہی دیکھئے بے وقوف صرف پچاس روپے میں۔ رعائتی ٹکٹ تیس روپے اور بیس روپے۔ اور پھر پڑھے لکھے اور مہذب طبقے نے تو "بے وقوف" کو معہ اہل و عیال دیکھا۔

حکم رئیس شہر دا، کجھ لوکاں دی مجبوری سی
ٹھڈاں نال منصور نوں سنگسار کرنا پے گیا

اس ڈرامے میں کیا تھا؟ سُنا ہے ستارے تھے۔ کچھ ٹیلی ویژن کے اور کچھ فلمی تھے۔ ہم نے تو آج تک آسمانی ستاروں کا سنا تھا۔ ہمارے بوڑھے بتایا کرتے تھے کہ پہلے زمانے میں لوگ ستاروں کی مدد سے راستے تلاش کیا کرتے تھے لیکن آج کل تو ستارے کا لفظ منہ ہی میں ہوتا ہے تو بچے پوچھنے لگتے ہیں کہ جی فلمی ستارے یا ٹیلی ویژن کے ستارے۔ اور نئی نسل کے جوان تو ان ستاروں سے بھی راستے تلاش کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

میں نے اپنے ایک ملنے والے سے جو بے وقوف کو دیکھ کر آیا تھا پوچھا "بتاؤ یار کیا ڈرامہ تلاوت سے شروع ہوا تھا۔ اس نے زور سے قہقہہ لگایا اور بولا نہیں یار یہ تو ڈسکو ڈانس سے شروع ہوا تھا۔ جو لڑکوں نے پیش کیا۔ پورے ڈرامے میں کیا تھا! بس ڈسکو ڈانس، جگت بازی، بے ہودہ فقروں کی بارش جسے آج کا ایک پڑھا لکھا طبقہ تفریح کا بہترین سامان سمجھتا ہے۔

میں یہ سوچ رہا ہوں کہ جس انداز سے اس بے وقوف کو منظر عام پر لانے کے لئے انتظامیہ نے شہر کے با رسوخ آدمیوں اور طالب علموں نے بھرپور کردار ادا کیا۔ اگر ساری

بیان اپنے حاجیوں کا

امریکہ سے ایک حساس مسلمان ظہور الحق صاحب نے اپنے احساسات کا ذکر کرتے ہوئے یہ مضمون مؤقر جریدہ ماہنامہ اردو ڈائجسٹ سے فوٹو کاپی کر کے بھیجا ہے ان کے احساسات کا خلاصہ یہ ہے کہ "مسلمانان درگور و مسلمانی درکتاب" ان کا مطالبہ ہے کہ یہ مضمون المرشد میں طبع کیا جائے ممکن ہے قوم اس آئینہ میں اپنا چہرہ دیکھ کر اپنی اصلاح کی طرف مائل ہو جائے۔

مدیر

جدّہ سے حُمیرا مودودیؒ کی ایک مشاہداتی رپورٹ

حدیثِ نبوی ہے کہ ایک زمانہ ایسا بھی آئے گا جب حج کرنے کے لئے سواریوں پر سوار ہو ہو کر لوگ تو بہت آئیں گے مگر حاجی کوئی نہ ہو گا۔

ایک اور حدیث ہے کہ ایک زمانہ آئے گا جب علماء ریاکاری اور دکھاوے کے لئے حج کریں گے، امراء سیر و تفریح کی نیت سے آئیں گے، متوسط طبقے کے لوگ تجارت کی غرض سے پہنچیں گے اور غربا بھیک کے لئے حج کریں گے۔

آئیے مندرجہ بالا احادیث کی روشنی میں اس زمانے کے حجاج کا جائزہ لیں۔ یہ حاجی صاحبان زیادہ تر وہ لوگ ہیں جو سعودی عرب میں قیام پذیر ہیں اور یہاں کی وافر آمدنی اور آسائشوں نے اُن کے لئے حج کو پکنک بنا دیا ہے۔

منیٰ میں ایک احرام بند حاجی صاحب اپنی نجی خالہ صاحبہ سے محوِ گفتگو تھے جو خیر سے ہر سال حج کرنے کراچی سے تشریف لاتی ہیں اور تقریباً گیارہ مرتبہ حج کر چکی ہیں۔

حاجی صاحب کہہ رہے تھے: "یہ جو منیٰ، عرفات اور مزدلفہ کی مصیبت پڑی ہے، یہ سب ایک عورت کی

وجہ سے ہے ورنہ اس وقت آرام سے اپنے گھر میں بیٹھے ہوتے مرد کو عورت کی وجہ سے جنت چھوڑنا پڑی اور اب بھی ایک عورت کے طفیل ہی گھر سے بے گھر ہو کر پانچ روز منیٰ میں رہنا پڑ رہا ہے۔"

اب خالہ صاحبہ کو بھلا کہاں تاب تھی کہ یہ جلی کٹی سنتیں اور برداشت کر لیتیں انہوں نے فوراً اپنی ناک پر انگلی رکھ کر کہا "لے ہے! رہنے بھی دو۔ چھوڑ کر اس عورت کو مرد ہی گیا تھا ورنہ وہ خود تھوڑی آئی تھی، اُسے کیا پڑی تھی کہ جنگل بیابان میں بچے کو لے کر رہ پڑتی۔ تم مردوے خود تو حرکتیں کرتے ہو اور الزام عورتوں کو دیتے ہو۔"

یہ سنتے ہی تمام اطراف سے قہقہے بلند ہونے لگے اور خالہ صاحبہ کی فصاحت و بلاغت کو خوب خوب سراہا گیا۔ اتفاق سے ہم بھی اسی کیمپ میں تھے اور یہ معطر اور مؤدب مکالمہ سُن رہے تھے۔ خاصی دیر غور و فکر کرتے رہے کہ یہ لوگ کونسے 'مرد' اور کونسی عورت کی بات کر رہے ہیں۔ بہت مغز ماری کے بعد عقل میں آیا کہ یہ گستاخی حضرت ہاجرہؑ۔ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کے بارے میں ہو رہی تھی۔ حج کیا ہے؛ یہ تمام کا تمام انہی تین برگزیدہ ہستیوں کی سُنت کا اتباع ہے۔ وہ عام 'مرد و عورت' تو نہ تھے کہ یوں ہنسی مذاق اور چھیڑ چھاڑ میں اُن کا ذکر ہو اور وہ بھی کہاں؟ منیٰ میں! جبکہ گفتگو فرمانے والے حاجی صاحبان احرام بند ہوں ؂

کعبے کس منہ سے جاؤ گے غالبؔ
شرم تم کو مگر نہیں آتی

کوئی اس قبیل کے حجاج کرام سے یہ پوچھے کہ حضرت آپ سے کس نے کہا تھا اپنا ایئر کنڈیشنڈ بیڈ روم چھوڑ کر یہاں تشریف لایئے اور انبیائے کرام کا تمسخر اڑائیے

مندرجہ بالا گفتگو کے بعد بھی ان حاجیوں اور تجنّوں میں ہنسی مذاق اور چٹکلوں کا سلسلہ چلتا رہا کہ ہے لگتا ہے یہ ہنسی مذاق فحش ہو جاتا، بعض اوقات بے خود ہو کر، عادتاً حاجی صاحبان فلمی گانے تک گنگنانے لگتے ظاہر ہے کہ جب محترمات میک اپ کر کے احرام باندھیں گی تو حاجی صاحبان کی طبیعت کیوں نہ موزوں ہوگی ایک حاجی صاحب منیٰ کی کپڑا مارکیٹ سے نہایت شوخ رنگوں میں لیڈیز سوٹ خرید لائے تو دوسرے حجاج کرام نے ٹوکا کہ تم تو کنوارے ہو یہ زنانے کپڑے کیوں لے آئے۔ اس پر حاجی صاحب نہایت توکل کے ساتھ بولے کہ "بھئی جس نے کپڑے دیئے ہیں وہی پہننے والی بھی دیگا"

منیٰ سے نکل کر عرفات جو پہنچے تو تھوڑی ہی دیر میں دوپہر کے کھانے کا وقت ہو گیا اور بریانی تقسیم ہونے لگی۔ ایکا ایکی دیکھتے کیا ہیں کہ ایک احرام بند حاجی صاحب نے دوڑ کر بریانی تقسیم کرنے والے صاحب پر حملہ کر دیا اور انہیں بے تحاشا مارنے لگے بہت سے دوسرے حاجی بیچ بچاؤ کے لئے دوڑے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ

دوسرے لوگوں کو بریانی مل گئی تھی اور ان کو نہیں ملی - آخر کہاں تک صبر کرتے؟ وہ کوئی صبر کرنے تھوڑی ہی آئے تھے "حج" کرنے آئے تھے - یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ عرفات میں دوسرے تو بریانی کھائیں اور وہ صرف صبر کریں!

یہ لیجیئے! ایک اور طرف سے آواز آئی "اگر احرام نہ بندھا ہوتا تو اس وقت تیرا سر پھاڑ دیا ہوتا" معلوم ہوا کہ پانی بھرنے پر جھگڑا ہو گیا ہے - الغرض کہیں پانی پینے پلانے پہ جھگڑا کہیں گھوڑا آگے بڑھانے پہ جھگڑا اور اب کہیں بریانی کھانے کھلانے پہ جھگڑا مزید برآں ہر گھنٹے آدھ گھنٹے کے بعد کوئی نہ کوئی بچے کھچے صاحب اپنے ہینڈ بیگ کی پھٹی ہوئی زپ دکھا کر اللہ کے نام یہ سوال کر رہے ہوتے "حضرت! آپا جی پیسے اور ٹکٹ چوری ہو گئے ہیں، واپسی نہیں ہو سکتی جب تک جملہ حاضرین بخشش نہ دیں - دیکھیے، اللہ اور اس کے رسولؐ کے نام پر کہ یہ حاجی بندہ واپس گھر پہنچے"

اُس وقت بے اختیار حضرت عمرؓ بن خطاب کے الفاظ یاد آئے جو انہوں نے اسی عرفہ کے دن اسی مقام پہ ایک بھیک مانگنے والے سے کہے تھے کہ "بے غیرت! تو آج کے دن اس میدانِ عرفات میں جب سب اللہ تعالیٰ کے حضور بھیک مانگ رہے ہیں، غیر اللہ کے آگے دستِ سوال دراز کر رہا ہے" ان الفاظ کے ساتھ حضرت عمرؓ بن خطاب نے کوڑا اٹھایا اور اُسے مارنے کی دھمکی دی - ایسے کئی اور واقعات جو تاریخ اسلام میں درخشاں مقام رکھتے ہیں معاً چشم تصور کے سامنے سے گزر گئے -

مزدلفہ سے واپسی کی جلدی میں چیزیں سمیٹ رہے تھے کہ ہمارے بالکل ساتھ پڑاؤ ڈالنے والی جماعت میں سے ایک بزرگ خاتون اپنے ساتھیوں سے پوچھنے لگیں -

"وے ہُن کتھے چلے او"

جواب ملا "اماں جی! ہُن منیٰ واپس جانا اے"

اماں جی بیزار ہو کر بولیں "ہائے منیٰ دا سیاپا رہ گیا اے" منیٰ میں قیام اسی صورت "سیاپا" بن سکتا ہے جب کسی تیاری کے بغیر ٹھٹھ کر کے بطور پکنک حج کیا جائے اور یوں لاگ بک میں ایک اور حج کا اضافہ ہو جائے -

مزدلفہ سے واپس منیٰ جو پہنچے تو دیکھا کہ بہت سے حاجی حضرات لوٹوں سے محترم محترمات کے سروں پہ پانی ڈال رہے تھے اور وہ اپنے بالوں کو کھلے عام شیمپو کر رہی تھیں - یعنی احرام اُتر چکے تھے یا شرم و حیا بھی ساتھ ہی اُتر گئی تھی کہ یوں سرِ کوہ منظرِ عام پہ بیٹھ کر شیمپو ہو رہا تھا -

غرض شام ہوتے ہوتے ہمیں تو ایسا معلوم ہوا کہ منیٰ کے حاجی کیمپ میں بالکل پرستان کا سماں بندھ گیا ہے جدھر نگاہ جاتی تھی، پریاں نظر آتی تھیں شوخ و شنگ لباس میک اپ اور زیورات میں سے کوئی بھی ارمان ایسا نہ تھا جو محترم بیبیوں نے پورا نہ کیا ہو دوسری

طرف حاجی حضرات کمی مجد منانے پر پوری طرح مُصر تھے، گلوں میں سونے کے لاکٹ پہنے آنکھیں سینکتے پھر رہے تھے۔ کیوں نہ ہو جب کہ حجن محترمات نازیبان مصالحہ کی ماڈل گرل کا نمونہ بنی ہوئی تھیں۔

یہ لیجیے، نانک سٹک آراستہ حجنیں پہاڑیوں پر کھڑی حاجی حضرات کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے، پوز بدل بدل کر تصویریں اُتروا رہی ہیں! ادھر فوٹو گرافر مطالبہ کرتا ہے کہ ذرا مسکرائیے! سچ پوچھیے تو کسی فلم کی آؤٹ ڈور شوٹنگ کا سماں ہے۔ کیا غضب کا فلمی حج ہے قارئین کرام! یاد رہے یہ دید ہے شنید نہیں۔ اور یہ لیجیے! غضب پہ غضب ہو گیا تصویروں کے لئے پوز بنانے کی ہڑبونگ میں کہیں حجن بی بی سے ہیرے کی انگوٹھی پتھروں میں کھو گئی۔ کئی ہزار ریال کا نقصان ہو گیا! بعد میں جب کئی ہزار ریال کو چار سے ضرب دے کر پاکستانی کرنسی میں حساب لگایا تو قیامت گزر گئی کئی حاجی صاحبان ہاتھوں میں ٹارچیں لئے سر سے کفن باندھ کر جہاد کرنے نکلے اور لگے پتھر ہٹا ہٹا کر انگوٹھی ڈھونڈنے مگر وہ سلیمانی انگشتری نہ ملنا تھی نہ ملی۔

آخر میں کیمپ کے دوسرے حاجیوں سے تفتیش کی گئی لے دے کر برقع پوش خواتین پر شکوک نگاہیں پڑنی شروع ہوئیں۔ شاید اس لئے کہ وہ شروع سے آخر تک ایک چادر باندھ کر اس کی اوٹ میں بیٹھی رہی تھیں اور جب ضرورت سے باہر نکلتیں تو برقع پہن کر نکلتی تھیں۔ سارا کیمپ چھوڑ کر خاص طور پر انہی سے کہا گیا کہ ہیرے کی انگوٹھی گم ہو گئی ہے آپ نے تو نہیں لی۔ انہوں نے بصد ادب عرض کیا کہ نہیں بی بی ہم نے تو آپ کی انگوٹھی نہیں لی۔ اس پر انہیں اچھی طرح سے تاکید کر دی گئی کہ دیکھیے، اگر ملے تو دے دیجیے گا۔ آنکھیں کھول میں خاک ڈالوں شاید اسی کو کہتے ہیں۔

اس طوفانِ بدتمیزی میں بار بار یہ خیال آتا تھا کہ منیٰ میں قیام کے تین روز جس شیطان کو ہم کنکریاں مارتے ہیں وہ کہیں باہر تو نہیں۔ کنکریاں تو ہم دراصل اپنے اندر کے شیطان کو مارتے ہیں اور وہ ذاتِ شریف مار کھا کھا کر اور زیادہ چونچال ہو جاتا ہے یہ ایک حقیقت ہے کہ حضرت ابلیس حج کے پانچ دنوں میں جتنا سرگرم ہوتا ہے اتنا تو شاید سال بھر میں نہ ہوتا ہو۔ اور کیوں نہ ہو، آخر اس نے ابتدائے آفرینش میں اللہ تعالیٰ کے حضور چیلنج بھی تو کیا تھا۔

"اے اللہ! مجھے اس آدم کی وجہ سے ذلیل و خوار ہونا پڑا ہے۔ اس لئے اگر قیامت کے دن تک مہلت دی جائے تو میں انہیں بہکانے کے لئے تیرے سیدھے راستے پر بیٹھوں گا پھر میں انہیں ان کے دائیں طرف سے اور ان کے بائیں طرف سے ورغلاؤں گا اور ان کے سامنے سے وار کروں گا اور ان کے پیچھے سے وار کروں گا اور ان میں سے اکثر کو تو شکر گزار نہ پائے گا۔" (الاعراف)

جہاں غلط کام ہو رہے ہوں اور شیطانی سرگرمیاں

جاری ہوں وہاں حضرت ابلیس کو بھلا کیا پڑی ہے کہ بہ نفسِ نفیس براجمان ہوں وہاں تو شیاطین انس خود ہی کافی ہیں۔ ابلیس کی اصل جولانگاہ تو وہ جگہیں ہیں جہاں اس بات کا احتمال ہو کہیں لوگ صراطِ مستقیم پر نہ چلنے لگیں اور کوئی بندہ خدا سچے دل سے اپنے رب کی عبادت کر کے اس سے تعلق نہ جوڑے لہذا سامنے اور پیچھے اور دائیں اور بائیں طرف سے ابلیسی حملے جاری رہتے ہیں۔ جیسا رنگا رنگ اجتماع منیٰ، مزدلفہ اور عرفات کے حاجی کیمپوں میں دیکھنے میں آیا، ایسا شاید ہی کہیں اور ہوتا ہو اسی طرح کپڑے کی جو خرید و فروخت منیٰ میں ہوتی ہے اُس کی مثال شاید کہیں تر ملے گی۔

عید کے دوسرے دن وہ حاجی صاحبان قربانی کر کے واپس آنے شروع ہوئے جنہیں پہلے دن اس کا موقع نہیں ملا تھا۔ اچانک ایک جانب سے آواز آئی ابّو! آپ نے اپنا سر کیوں منڈوا دیا؟ اب آپ اچھے نہیں لگ رہے؟ ایک معصوم بچی اپنے باپ سے شکوہ کر رہی تھی اور باپ بڑے پیار سے اپنی ننھی سی بیٹی کو سمجھا رہے تھے "بیٹی ابھی تو صرف سر اللہ تعالیٰ کی خاطر منڈوایا ہے۔ اگر کل کسی وقت یہ سر کٹوانا بھی پڑ گیا تو انشاء اللہ ضرور کٹوائیں گے"۔

یقین کیجئے خوشگوار اور معطر ہوا کا ایک جھونکا اس تمام کدورت کا اثر زائل کر گیا جو چار دن تک طوفانِ بدتمیزی دیکھ کر پیدا ہو گئی تھی، بے اختیار دل سے دعا نکلی " یا الٰہا تو اپنے فضل و کرم سے ایسے لوگوں میں اضافہ کر دے جو تیری راہ میں سر کٹوانے کا عزم صمیم رکھتے ہیں "۔

ایام حج ختم ہونے کے بعد منیٰ سے واپسی کے وقت معلّم صاحب حاجیوں کو رخصت فرما رہے تھے اور اگلے سال پھر خدمت کا موقع دینے کی تاکید کر رہے تھے کہ ایک بزرگ خاتون نے بس کی کھڑکی سے منہ نکال کر انہیں مشورہ دیا میاں! تم یہ حج وج کرانے کا چکر چھوڑو اور بس اپنا ویڈیو کا کاروبار کرو کہ تمہیں یہی سجتا ہے"۔

بعد میں معلوم ہوا کہ معلّم صاحب کا مکے اور جدے میں ویڈیو کا بڑا وسیع کاروبار ہے، بہت سی ایسی بھارتی فلمیں جن پر فحش ہونے کی وجہ سے بھارت میں پابندی لگا دی گئی تھی اور کہیں نہیں مل رہی تھیں وہ شائقین کو ان کے اسٹور سے دستیاب ہو گئیں انہی معلّم صاحب کی دکان پر عین حرم شریف کے سامنے "ہرے کرشن ہرے رام، میں نشے میں ہوں، اور بول رادھا بول، کے راگ الاپے جاتے ہیں ؎

چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

نیا سپتی حاجیوں کے بعد اب سنیئے عمرے کی غرض سے آنے والوں کی رام کہانی ایک بزرگ کراچی سے عمرے کے لیے آئے، جدے کے ایک پاکستانی رسیتوران میں بیٹھے کھانا کھا رہے تھے کہ یکا یک بیرے نے اگر سرگوشی کی

"صاحب جی! اوپر کی منزل میں 'آگ' لگ رہی ہے سب لوگ دیکھ رہے ہیں۔ آپ کو بھی دیکھنی ہو تو اوپر آجائیے گا۔ دس ریال ٹکٹ ہے۔"

اُن بھولے بھالے بزرگ کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ یا اللہ! یہ کیسی آگ ہے کہ سب لوگ دس دس ریال کا ٹکٹ لے کر دیکھ رہے ہیں اور کوئی بندہ خدا نہیں بجھاتا بے اختیار فرمانے لگے: "میاں! آگ لگ رہی ہے تو فائر بریگیڈ والوں کو فون کرو کہ آکر بجھائیں تم لوگوں کو تماشہ بینی کا اس قدر شوق ہو گیا ہے کہ آگ جیسی چیز کا بھی تماشا بنا لیتے ہو۔"

اس پر بیرے نے ہنس کر مزید روشنی ڈالی کہ صاحب اوپر 'آگ' نام کی فلم چل رہی ہے سچ مچ کی آگ نہیں ہے۔ بیرا یہ کہہ رہا تھا اور وہ بزرگ حیرانی سے اس کا منہ تک رہے تھے اور سوچ رہے تھے کہ وہ کراچی سے ارضِ مقدس عمرہ کرنے آئے ہیں یا فلمیں دیکھنے۔

فلموں کا ذکر چل نکلا تو لگے ہاتھ ایک واقعہ سُن لیجئے کہ اس کے پڑھنے سے بہتوں کا بھلا ہو گا سقوطِ مشرقی پاکستان کا سانحہ پیش آیا تو جدّے میں بھارتی سفارتخانے میں شام کے وقت جشنِ فتح کا اہتمام تھا۔ اس میں بھارت کی ایک مشہور فلم دکھائی اور اس کے بعد مٹھائی تقسیم کی جانے والی تھی بھارتی سفارتخانے میں کام کرنے والے مسلمان اہلکار سقوطِ مشرقی پاکستان پر تمام دن دل گرفتہ رہے تھے کہ اغیار کے سامنے اسلامی پرچم سرنگوں ہو گیا تھا۔ اُن کے دل رو رہے تھے۔ اگرچہ آنکھیں خشک تھیں۔ وہ مشینی انداز میں اپنے فرائض بجا لا رہے تھے۔ بار بار سوچتے کہ اب اپنے وطن بھارت جا کر کافروں کو کیا منہ دکھائیں گے بقول شاعر ؎

طعنہ دیں گے بُت کہ مسلم کا خدا کوئی نہیں

بہر حال وہ لوگ ملازم تھے اور مجبور تھے اور اب نئے سرے سے مفتوح بھی ہو گئے تھے۔ اپنے دل کا غم دل میں چھپائے جشنِ فتح کے انتظامات کرتے رہے شام کے وقت جب فلم دکھائی جانے لگی تو بھارتی سفارتخانے کے ملازمین نے بصد حیرت و استعجاب یہ منظر دیکھا اور آنکھیں مل مل کر بار بار دیکھا کہ بیشتر پچھلی نشستوں پہ پاکستانی حضرات و خواتین تشریف فرما ہیں۔ فلم ختم ہوتے ہی جب مٹھائی کے پیکٹ تقسیم ہوئے تو پاکستانی خواتین و حضرات نے سقوطِ مشرقی پاکستان کی خوشی میں مٹھائی فاتح دشمن کے ہاتھوں سے لی اور کھائی جب آنکھ کا نشہ اور کن رسی کی عادت اپنی انتہا کو پہنچ جائے تو قومیں اسی طرح بے حس اور بے غیرت ہو جاتی ہیں۔

یہ بے حسی اور بے غیرتی اس قدر بڑھ گئی ہے کہ بندگانِ خدا نے مکّے اور مدینے کی حرمت اور عمرہ و حج کی تقدیس بھی پامال کر ڈالی ہے۔ سورۂ حج میں اللہ تعالیٰ

فرماتے ہیں۔ "اور جو اللہ کی عظیم نشانیوں کی تعظیم کرتا ہے تو یہ دلوں کے تقویٰ کی بدولت ہے۔" دوسری طرف فرمایا گیا کہ جو شخص حرم میں الحاد پھیلائے اور ظلم کرے اُسے ہم دردناک عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔

ایک صاحب، جو خیر سے برٹش نیشنل ہیں، لندن سے عمرہ کرنے تشریف لائے۔ انھوں نے باتوں باتوں میں اپنے میزبان سے فرمایا، "اللہ تعالےٰ کے وجود کا آخر ثبوت کیا ہے؟ ہم کیسے مان لیں کہ کوئی اللہ تعالےٰ ہے؟" (نعوذ باللہ)

میزبان پہلے تو یہ گل افشانی سُن کے ہکا بکا رہ گئے کہ اگر وجود باری تعالےٰ ہی کے بارے میں شک و شبہ ہے تو یہاں تشریف آوری کس لئے ہوئی لیکن بعد میں اُن صاحب اور اُن کی بیگم صاحبہ کی فہرست خریداری دیکھ کر اندازہ لگا لیا کہ آنے کی اصل غرض و غایت کیا ہے۔ سوچ و بچار کے بعد میزبان صاحب نے اپنے زائر مہمان سے فرمایا کہ جلدی نہ کیجئے اللہ تعالےٰ کے وجود کا ثبوت آپ کو آپ کے اندر سے خود ہی مل جائے گا اور ارضِ مقدس میں قیام کے دوران ہی انشاءاللہ ملے گا۔

بہر حال وہ مکے تشریف لے گئے۔ فارغ ہو کر لوٹے تو اپنے میزبان سے فرمانے لگے۔

You know there was the walling wall there.

اب گھر والوں کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں کہ دیوار گریہ تو بیت المقدس میں ہے اور یہودی اُس سے چمٹ چمٹ کر ہیکل سلیمانی کی بربادی کو روتے ہیں یہ مکے میں دیوارِ گریہ کہاں سے آ گئی؟ اس پر مزید ارشاد ہوا کہ حجر اسود کے پاس جو دیوار ہے، وہاں دروازے کے نیچے بہت سے لوگ چمٹ کر رو رہے تھے۔ معلوم ہوا کہ ملتزم کا ذکر ہو رہا ہے سُننے والوں نے سر پیٹ لیا۔ کچھ جہالت سی جہالت ہے! مکے سے یہ گل کھلا کر ہمارے پاکستانی / برٹش نیشنل صاحب نے مدینہ منورہ کا رُخ کیا۔ واپسی میں کار کو حادثہ پیش آیا جسم میں خاصے مجروح ہوئے، ڈرائیور کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھے تھے۔ ونڈ اسکرین ٹوٹنے سے پورے چہرے پر زخم آئے مگر الحمدللہ آنکھیں محفوظ رہیں جب اپنے میزبان کے گھر پٹیوں سے ڈھکے چہرے کے ساتھ واپس پہنچے تو گھر والوں نے تعجب کا اظہار کیا کہ ایسے شدید حادثے میں دونوں آنکھیں محفوظ رہیں تو اُن صاحب نے بے اختیار فرمایا۔ "بس اللہ نے بچا لیا!" اس وقت اُن کے میزبان نے یاد دلایا کہ آپ نے مجھ سے وجود باری تعالےٰ کا ثبوت مانگا تھا اب خود آپ کے دل کے مُفتی نے ثبوت فراہم کر دیا ہے کہ یہ آنکھیں بچانے والا اللہ تعالےٰ ہے۔ خدا کرے کہ اس واقعے سے آپ کے دل کی آنکھیں بھی کھل جائیں۔!

ایک اور محترمہ کینیڈا سے عمرے کی غرض سے تشریف

لائیں ۔ وہ کینیڈا میں تدریس کا کام کرتی ہیں ۔ جدے میں اپنی خالہ کے ہاں قیام کیا اور انہی کے ساتھ پہلی مرتبہ حرم شریف گئیں ، خانہ کعبہ پہ نگاہ پڑتے ہی اپنی خالہ سے پوچھا کہ نبی پاک ، صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اس کے اندر ہے یا اس کے اوپر ؟ "

ان کی خالہ اپنی عالم فاضل اعلیٰ ترین ڈگری یافتہ بھانجی کا منہ تکتی رہ گئیں سیاآخر بولیں تو یہ بولیں "بیٹی ! تم پڑھی لکھی سے تو ہمارے پاکستان اور بھارت کی برتن اور کپڑے دھونے والی ان پڑھ مائیاں زیادہ تعلیم یافتہ ہیں جو کم از کم اتنا تو جانتی ہیں کہ مکے میں اللہ تعالےٰ کا گھر خانہ کعبہ ہے جو سارے مسلمانوں کا قبلہ ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینے میں آرام فرما رہے ہیں ! " یہ ہے نتیجہ اولاد کو دینی تعلیم نہ دینے کا !

اب کیجئے زیارت مدینہ شریف کی طرف رمضان کا آخری عشرہ تھا اور پچیسویں شب شبینہ پڑھ کر ہم اپنی قیامگاہ پاکستان ہاوس آئے ابھی اپنے کمرے میں داخل بھی نہ ہوئے تھے کہ ہال میں بیٹھے لوگوں میں سے ایک شوخ و شنگ آواز کانوں سے ٹکرائی ۔ " ہمارے مذہب میں سختی کچھ زیادہ ہی ہے کہ ایک دن میں پانچ پانچ نمازیں پڑھنی پڑتی ہیں ، ذرا عیسائیوں کے مذہب کی طرف دیکھئے وہاں ہفتے میں صرف ایک یعنی اتوار کی نماز ہے اور اُس میں بھی کوئی سختی نہیں ۔ چاہو تو گرجے میں جاکر پڑھ لو اور چاہو تو نہ پڑھو کوئی نہیں پوچھتا ! "

یہ الفاظ پگھلے ہوئے سیسے کی طرح میرے کانوں میں اتر گئے ، پلٹ کر دیکھا تو ہال میں لمبے لمبے بالوں اور قلموں والے نوجوان اور کئی فیشن زدہ لڑکیاں بیٹھی تھیں ۔ میں دعوے سے کہہ سکتی ہوں کہ جو لڑکی یہ الفاظ کہہ رہی تھی اس نے شاید اپنی زندگی میں پہلی بار پانچ نمازیں مدینے آکر پڑھی ہوں گی ۔ جبھی تو وہ نمازیں اس پر اس قدر گراں گزریں اور بے اختیار عیسائیوں کے مذہب کی طرف للچائی ہوئی نگاہیں اٹھ گئیں جس میں ہفتے میں صرف ایک ہی نماز ہے ۔

اب ذرا ملاحظہ فرمائیے کہ یہ گل افشانی کہاں ہو رہی ہے ۔ مدینہ شریف میں ، عین گنبدِ خضرا کے سائے میں اور رمضان کی پچیسویں[۲۵] شب کے ڈھائی بجے یہ وہ شب ہے ، جس میں مدینے ہی میں نہیں بلکہ دنیا کے گوشے گوشے میں ہر سچا مسلمان سجدہ ریز ہوتا ہے اور اپنے رب سے تعلق جوڑتا ہے لیکن ہماری نئی نسل کو اس بابرکت رات میں جو ممکن ہے لیلۃ القدر ہی ہو ، توفیق ہوئی تو یہ کہ اپنے دین میں سختی کچھ زیادہ ہونے کا شکوہ کریں کاش ! ہمارا نظام تعلیم آئندہ نسلوں کو دینِ حنیف پر فخر کرنا سکھا دے کاش ! ہمارے " حاجی " ، صرف حاجی ہوں ۔ اسمگلر اور بھکاری نہ ہوں ۔

المرشد کا مطالعہ ہر مسلمان کے لئے بہت ضروری ہے ۔

قسط (۲)

تاثرات دورہ مولانا محمد اکرم صاحب مدظلہ

ڈاکٹر عظمت

بیان کے بعد مجلس ذکر ہوئی۔ بعد نماز عشا چوہدری احسان اللہ صاحب کے ہاں پہنچے اس تاریخی کمرے میں قیام کیا جہاں حضرت استاد مکرم رحمۃ اللہ علیہ نے سات دن قیام فرمایا تھا آج اسی چارپائی پر مولانا محمد اکرم صاحب مدظلہ، تشریف فرما تھے میں دل ہی دل میں دعا کر رہا تھا۔ اے میرے پروردگار اس بندۂ حق کی عمر دراز فرما جس نے اپنے استاد مکرم کی ایک سنّت کو زندہ کر رکھا ہے باطنی اعتبار سے بھی اور ظاہری حیثیت سے بھی تقسیم فیوضات میں بھی اور تردید فرق باطلہ میں بھی۔

رات گئے یہ دنیا سے بے نیاز لوگ گوجرانوالہ پہنچے۔ مقامی ساتھی وہاں پہنچے ہوئے تھے حضرت نے کچھ مختصر سی گفتگو کے بعد آرام فرمایا صبح تہجد کے بعد معمول، ڈاکٹر عظمت کے گھر میں ہوا ذکر کے بعد فجر کی نماز جامع مسجد وحدت کالونی میں پڑھی۔

نماز فجر کے بعد مسجد میں حضرت کا بیان ہوا جس کا خلاصہ یہ ہے۔

اللہ جل شانہٗ نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ساری دنیا کے لئے اور ہمیشہ کے لئے مبعوث فرمایا۔ اس لئے جو دین یا طرزِ حیات یا زندہ رہنے کا سلیقہ آپؐ نے سکھایا وہ بھی ساری انسانیت کے لئے اور ہمیشہ کے لئے ہے۔ چونکہ حضور اکرمؐ کی نبوت عالمگیر تھی دین بھی عالمگیر ٹھہرا۔ اور دین کامل کی خصوصیت ہی یہ ہے کہ ہر قوم ہر ملک اور ہر زمانے کے لئے کامل رہنمائی کا سامان رکھتا ہو۔ اس میں نہ تو کچھ بڑھایا جا سکتا ہے۔ نہ اس سے کچھ کم کیا جا سکتا ہے۔ اس دین کی تکمیل کو اللہ تعالےٰ نے بنی نوع انسان کے لئے اتمامِ نعمت فرمایا۔

حضور اکرمؐ کی بعثت کے وقت انسانیت جن حالات سے دوچار تھی اگر اس کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ انسانیت کے اعتبار سے وہ دور انتہائی پستی اور ذلت کا تھا۔ یہاں تک کہ اگر کسی فرد کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوتی کہ اس اندھیرے سے نکل کھڑا ہو۔ تو اس کو رستہ دکھانے والا بھی کوئی نہیں تھا۔ ان ظلمتوں سے پوری انسانیت کو نکالنے کے لئے اللہ کا ایک بندہ ایک چھوٹی سی پہاڑی پر کھڑا ہو کے دعوت دیتا ہے۔ اور دنیا دیکھتی ہے کہ نہایت قلیل عرصے میں یہ اللہ کا برگزیدہ بندہ تاریخ کا رخ موڑ

کے رکھ دیتا ہے۔ انسانیت، پستیوں سے اٹھتی کہاں ہے ان عظمتوں اور بلندیوں کو جا چھوتی ہے جس کی نظیر انسانی تاریخ میں نہیں ملتی۔ کفر نے ایکا کر کے اس آواز کو دبانے کی انتہائی کوشش کی مگر بے سود۔ اسلام دشمنی، کفر کی مجبوری ہے مگر ایک فرقہ سب سے پیش پیش تھا اور وہ ہے یہود۔ یہ لوگ اسلام دشمنی میں کفار عرب کے استاد تھے اس خبیث فرقے کا قلع قمع اتنا اہمیت رکھتا ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر حضور اکرمؐ کو مکہ سے واپس آنے کا حکم ملا اور تاکید ہوئی کہ پہلے خیبر کے یہود کی خبر لیجئے یہ اہل مکہ سے بھی بڑھ کر اسلام کے دشمن ہیں۔ چنانچہ قدسیوں کی وہ جماعت جو مکہ میں داخل ہوئے بغیر لوٹ آئی تھی اسی نے خیبر کے قلعوں کو تہس نہس کر دیا۔ یہود کی دشمنی اور کینہ کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ حضور اکرمؐ کے اس دنیا سے پردہ فرماتے وقت آخری ہدایات میں ایک حکم یہ بھی ملتا ہے کہ یہود کو عرب میں نہ رہنے دیا جائے۔

یہود جب میدانِ جنگ میں اسلام سے پوری طرح شکست کھا چکے تو انہوں نے اسلام کے خلاف زیر زمین سازش شروع کی اس سازش اور اس تحریک کا پہلا نمائندہ ابن سبا ایک یہودی تھا جو اسلام کا لبادہ اوڑھ کر مسلمان معاشرے میں شامل ہو گیا۔ اس کے تیور دیکھ کر فاروق اعظمؓ بھانپ گئے اور اسے مدینہ بدر کر دیا یہ مصر میں پہنچا، زہد و تقویٰ کا جعلی سکہ جمایا اور اپنا کام اس طرح شروع کیا کہ تحریک کی بنیاد حُبّ اہل بیت کے نعرے پر رکھی جب لوگ مانوس ہوئے تو یہ پڑھایا کہ خلافت کے حقیقی حقدار تو حضرت علیؓ تھے پھر حضرت علیؓ کو حضور اکرمؐ کا وصی قرار دیا۔ بات پھیلی تو مصر کے گورنر نے اسے وہاں سے نکال دیا۔ کوفہ میں پہنچا نومسلموں کو اپنے گرد جمع کیا پھر بصرہ پہنچا وہاں یہی تحریک چلائی۔

حضرت عثمانؓ کے دور میں اس نے اپنے نمائندے مصر کوفہ اور بصرہ سے مدینہ منورہ بھیجے انہوں نے حضرت عثمانؓ کے خلاف اعتراضات پیش کئے حضرت عثمانؓ نے مسجد نبوی میں برسرِ عام تمام اعتراضات کے مسکت جواب دئے، آپؓ نے صحابہؓ سے پوچھا ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے جواب ملا ان مفسدوں اور باغیوں کو قتل کر دیا جائے مگر حضرت عثمانؓ کی دور رس نگاہ تاڑ گئی کہ اس طرح ان کو اسلام کے خلاف سازش کرنے کا ایک پلیٹ فارم مل جائے گا۔ اور یہ نعرہ لگائیں گے کہ دیکھو خلیفہ غاصب ہے اعتراض رد ہوئے تو ان فسادیوں نے قتل کا بازار گرم کر دیا حضرت عثمانؓ نے اپنی جان دیدی مگر ان کو پلیٹ فارم نہ دیا

چنانچہ یہ تحریک صدیوں پیچھے دھکیل دی گئی۔ ان لوگوں نے حضرت عثمان رضؓ کو شہید کیا حضرت علیؓ کو شہید کیا حضرت حسنؓ کا خون بھی ان کی گردن پر ہے۔ پھر حضرت حسینؓ کو انہی لوگوں نے ہزاروں خطوط لکھ کے کوفہ بلایا اور خود میدان کربلا میں شہید کیا پھر شہادت حسین کو ایکسپلائٹ کرنے والے بھی یہی لوگ تھے ؎

وہی قتل بھی کرے ہے وہی لے ثواب اُلٹا

واقعۂ کربلا کے متعلق سب سے پہلی تحریر ابو مخنف یحییٰ بن لوط "ثقہ" بادشیعی کی ہے جو مقتل حسین کے نام سے منظر عام پر آئی۔ یہ ذات شریف ۱۵۶ھ میں مرا ہے اور ۶۱ھ کا واقعہ یوں لکھتا ہے جیسے چشم دید گواہ ہو، خدا جانے اسکو کونسا سلیمانی ٹوپی والا بے غیرت راوی مل گیا جو خاندان نبوی کو ذبح ہوتے دیکھتا رہا اور خود ۹۰ برس کر کسی کھجور پر بیٹھا رہا کہ ابو مخنف کو حالات بتائے گا۔

اس تحریک کو چوتھی صدی میں سرکاری سرپرستی حاصل ہوئی اور اس نے ایک مذہب کی صورت اختیار کی جس میں دنیا کی ہر برائی کو عبادت کا درجہ دیا گیا۔ جھوٹ کو دین کا ۹/۱۰ حصہ اور محبوب ترین چیز قرار دیا گیا۔ فحش کلامی اور اہل اللہ کو گالیاں دینا عبادت ہوا۔ زنا کو متعہ کا نام دے کر اس پایہ کی عبادت قرار دیا گیا کہ ایک دفعہ کرنے والا حسینؓ کے برابر دو دفعہ کرنے والا حسنؓ کے برابر اور تین دفعہ کرنے والا علی کے برابر اور چار دفعہ کرنے والا رسول کے برابر (لاحول ولا قوۃ الا باللہ)

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ یہ گروہ جب سے وجود میں آیا ہے اس نے ہمیشہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف محاذ آرائی کی ہے۔ پھر عجیب منطق ہے کہ دنیا کا ہر مذہب ان لوگوں کو (صحابہؓ) بہترین انسان شمار کرتا ہے جو اس مذہب کے بانی یا داعی کے گرد جمع رہے مگر اس گروہ کے لوگ کہتے ہیں کہ دنیا کے بدترین لوگ وہ تھے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے براہ راست زیر تربیت رہے، اللہ کے آخری نبی کی توہین اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتی ہے۔

اب اس گروہ نے فقہ جعفریہ کے نفاذ کے نام سے ایک نیا ڈھونگ رچایا ہے۔ میں ایک دیہاتی آدمی ہوں ایک دفعہ گاؤں میں بات چلی تو میں نے کہا جو کسان اپنے کھیت کی رکھوالی نہیں کرتا گیدڑ اس کی فصلیں تباہ کر دیتے ہیں اور کسان اگر جاگتا رہے تو خنزیر بھی اُن کی فصل کے قریب نہیں آسکتے۔ اگر مسلمان بیدار ہوتا تو یہ فقہ جعفریہ والا کھڑا اس پر سوار کرنے کی آواز کیسے اٹھا سکتی تھی۔ آیئے ہم سب اپنے آپ پر وہ دین نافذ کریں جو محمد رسول اللہؐ نے صحابہ پر نافذ کر کے ایک مثالی معاشرہ تیار کیا تھا۔ اگر ہم اپنی اصلاح کر لیں تو حکومت کو مجبوراً سنت کا دامن تھامنا پڑے گا۔

پھر دوپہر کو گوجرانوالہ بار روم میں حضرت نے وکلاء سے خطاب کیا۔ جس کا خلاصہ یہ ہے :۔

اسلام نے انسانی زندگی کو یہ وسعت دی کہ ایک طرف تو خالق کائنات کا تعارف کرایا دوسری طرف انسان کو اپنے مقصد تخلیق سے روشناس کرایا۔ پھر انسان کو ابدی زندگی کی خبر دی اور دنیوی زندگی کے ساتھ اس کے تعلق سے آگاہ کیا اور بتایا کہ انسان اس زندگی میں جو کچھ کرتا ہے وہ دراصل ابدی زندگی کی تعمیر میں لگا رہتا ہے۔ اگر وہ یہاں اپنے ساتھ انصاف نہیں کر پاتا تو ابدی زندگی میں اس کا نتیجہ ظاہر ہو کے رہے گا۔

ہر معاشرے کی بقا اس کی تعمیر اس کی قوت کا مدار اس کے نظام عدل پر ہوتا ہے نظامِ عدل ان تعلقات پر بحث کرتا ہے جو انسانوں کے انسانوں کے ساتھ ہوتے ہیں اسلام نے جو نظام عدل عملاً رائج کیا اس کی برکات اس معاشرے میں یوں نمایاں ہوئیں کہ تاریخ کا ایک امتیازی حصہ بن کر رہ گئیں۔ مگر مسلمان جب اپنی اس دولت سے غفلت برتنے لگے تو جو دوسروں میں یہ دولت تقسیم کیا کرتے تھے خود اغیار کی ملامت کا نشانہ بننا شروع ہو گئے، حالانکہ تاریخ شاہد ہے کہ مسلمانوں کے عدل و انصاف نے دنیا کے دل بدل دیئے یہاں تک کہ جہاں سے مسلمان گذرے اہل ملک نے اپنے حکمرانوں کے مقابلے میں انہیں رحمت سمجھا، تلوار اور مادی طاقت تو اس وقت کی انہی سپر پاورز کے پاس تھی پھر اسلام تلوار کے زور سے کیونکر پھیلا۔

اسلام کے نظام عدل کے دو حصے ہیں ایک ایسے واقعات جن کا تعلق نفس انسانیت سے عمومی ہے اور جو پوری انسانیت کو متاثر کرتے ہیں ایسے جرم کے ارتکاب پہ اس کے مجرم ثابت ہو جانے پہ اس کے لئے سزا مقرر فرما دی۔ ایسی سزاؤں کو حدود کہتے ہیں۔ اس عمل میں اصل کارفرما شہادت ہے۔ اس لئے اسلام نے شہادت کی اہمیت کو واضح طور پہ بیان فرمایا۔ جھوٹی شہادت دینے یا کتمان شہادت کو گناہ اور جرم قرار دیا۔ پھر اس فیصلہ کے نفاذ میں اسلام کی خصوصیت یہ ہے چھوٹے بڑے کی تمیز نہیں ہو گی۔ جس پہ جرم ثابت ہو جائے اس پر حد لازماً جاری ہو کے رہے گی۔ حضور اکرم ﷺ کا یہ جملہ کہ "اللہ کی قسم اگر محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہ بھی یہ جرم کرتی اور اس کا جرم ثابت ہو جاتا تو اس پر بھی حد جاری ہوتی" اسلام کے نظامِ عدل کی جان ہے۔

دوسرا حصہ ایسے معاملات میں جو فرد کے فرد کے ساتھ ہیں۔ عمومی نوعیت کے نہیں کہ براہ راست معاشرہ اس سے متاثر ہو، ایسے جرائم کی سزا عدالت کی صوابدید پہ چھوڑ دی۔ ان سزاؤں کو تعزیرات کہتے ہیں۔ پھر اس نظام کی خصوصیت یہ ہے کہ

نہ کوئی فرد کسی دوسرے فرد پہ ظلم کرے نہ عدالت ایسا فیصلہ صادر کرے کہ ظالم کو مظلوم بنادے یا مظلوم کو ظالم قرار دیدے۔

بے شمار قربانیوں اور بڑے عظیم ایثار کے بعد یہ ملک ہمیں نصیب ہؤا ہے اس کے حصول کا مقصد بھی علی الاعلان یہی بتایا جاتا تھا کہ ہم اس خطے میں وہ نظام وہ قانون رائج کریں گے جو اللہ اور رسول ؐ نے انسانیت کے تحفظ اور اس کی بقا کے لئے عطا فرمایا ہے۔ مگر افسوس کہ نصف صدی بیتنے کو ہے مگر ہم سے وہ نظام نافذ نہ ہو سکا۔ اس کی راہ میں سپیڈ بریکر کے نام سے طرح طرح کے بہانے رکاوٹ کا کام دے رہے ہیں۔ حیرت ہوتی ہے تقسیم کا مطالبہ کرتے وقت، اس مقصد کے تعین میں کوئی تردّد نہیں تھا مگر ملک ملا تو پوری قوم تردّد کا شکار ہو گئی اس سلسلے میں دو بڑے بہانے سامنے لائے جاتے ہیں۔ اوّل یہ کہ نفاذ اسلام میں تدریج ہے دفعتہً اسلام نافذ کرنا درست نہیں، لیکن یہ سراسر خود فریبی اور خدا فریبی ہے۔ اسلام کے نزول میں تدریج تھی نفاذ میں قطعًا تدریج نہیں تھی جو جب مسلمان ہوا اس پہ وہ سارا اسلام نافذ ہو گیا جو اُس وقت تک نازل ہو چکا تھا۔ جتنے احکام اس وقت تک نازل ہو چکے تھے سارے قبول کرنے پڑے یہ نہیں کہ کوئی شخص مدینہ میں مسلمان ہؤا تو پہلے اس تک کے والے احکام نافذ ہوں پھر جو مدینہ میں نازل ہوئے۔ لہذا یہ کہنا قطعًا غلط ہے کہ اسلام کے نفاذ میں تدریج ہونی چاہیئے۔

دوسرا بہانہ یہ ہے کہ اسلام کے نفاذ کے لئے فضا اور ماحول سازگار نہیں تو کیا ہمارے معاشرے اور ہمارے ملک کی فضا اور ماحول اس فضا سے بھی بدتر ہے جس میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام نافذ فرمایا تھا۔ تاریخ شاہد ہے کہ بعثت نبوی کے وقت دنیا کی جو حالت تھی اس سے بُری اور بگڑی ہوئی حالت دنیا میں کبھی موجود ہی نہ تھی۔

یہ بیان تو کچھ اس طرح کا ہے کہ طبیب کے سامنے بیمار پیش ہوتا ہے۔ طبیب کہتا ہے ابھی اس کو دوا دینا درست نہیں جب اس کو صحت ہو جائے گی پھر دوا دیں گے کیا ایسا طبیب اس قابل ہے کہ اس کو کوئی تمغہ یا صدارتی ایوارڈ دیا جائے اگر نہیں تو قوم اس پہ کیوں مطمئن ہو گئی کہ ابھی حالات سازگار نہیں، میری ناقص رائے میں اسلام نافذ نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت جو

شخص بھی کسی طور پر با اختیار ہے اس نے اپنے لئے اتنی سہولتیں مہیا کر لی ہیں جو اس کے استحقاق سے کہیں زیادہ ہیں۔ اسلام نافذ ہو تو اس سے وہ سہولتیں چھن جائیں گی۔ اور بات یہاں تک پہنچے گی کہ ایک عام عورت کا ہاتھ ہو۔ اور فاروق اعظمؓ جیسے فرمانروا کا دامن ہو اور انصاف کا مطالبہ ہو رہا ہو۔ با اختیار طبقہ اس قربانی کے لئے تیار نہیں، قوموں کی زندگی میں یہ رویہ قومی تباہی کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔

میں آپ حضرات سے یہ گزارش کروں گا کہ آپ حضرات کی حیثیت قوم کے دل یا دماغ کی حیثیت ہے، آپ کا فرض ہے کہ آپ یہ حقیقت حکمرانوں تک پہنچائیں بلکہ انہیں مجبور کریں کہ وہ ذاتی مفاد پر قومی مفاد کو ترجیح دینے پر آمادہ ہو جائیں۔ قوم کے ہر طبقہ کی نسبت آپ حضرات پر کہیں زیادہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔

مغرب کی نماز جامع مسجد لانگریاں والی گلی میں ادا کی۔ یہ وہ مسجد ہے جہاں عمر بھر قاضی شمس الدین صاحب حیات النبی کی تردید میں اپنا زور علم زور بیان اور زور قلم صرف کرتے رہے آج حضرت سے درخواست کی گئی کہ حیات انبیاءؑ کے موضوع پر اسی مسجد میں بیان فرمائیں چنانچہ علماء حضرات بھی جمع ہو گئے تھے اور وہ پہلی صف میں بیٹھے تھے مسجد سامعین سے پر تھی حضرت نے بیان فرمایا۔ جس کا خلاصہ یہ ہے

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "کیف تکفرون وانتم تتلی علیکم آیات اللہ وفیکم رسولہ یعنی تم دین سے کیونکر پھر سکتے ہو۔ اور کفر کی جھولی میں کیسے جا سکتے ہو جب کہ حالت یہ ہے کہ اللہ کی کتاب تمہارے پاس موجود ہے جس کے احکام تمہیں پڑھ کر سنائے جاتے ہیں۔ دوسرا اللہ کا رسول تم میں موجود ہے مراد یہ ہوئی کہ یہی دو چیزیں ہیں جو انسان کو کفر کی طرف جانے سے روک سکتی ہیں۔

قرآن کے موجود ہونے کی دو صورتیں ہیں ایک الفاظ دوسرا مفہوم جس طرح نبی کریمؐ نے الفاظ قرآن اللہ تعالیٰ سے لئے اسی طرح ان الفاظ کے معانی اور مفہوم بھی حضور اکرمؐ نے اللہ تعالیٰ سے لئے جس طرح ان الفاظ کو قبول کرنا ضروری ہے اسی طرح اس مفہوم کو تسلیم کرنا بھی ضروری ہے اور جب اللہ تعالیٰ نے قرآن کی حفاظت کا ذمہ خود لیا تو یہ صرف الفاظ قرآن کی حفاظت کی نہیں بلکہ اس مفہوم کی

حفاظت کی بھی ذمہ داری ہے جو اللہ تعالےٰ نے اپنے نبیؐ کی زبان سے بیان کرایا۔ اگر قرآن کے الفاظ کی حفاظت تو ہوتی رہے مگر معانی اور مفہوم بدل دئیے جائیں تو وہ الفاظ کیونکر ذریعہ ہدایت بن سکتے ہیں۔ اور اس حفاظت کا عملاً کیا فائدہ ہوگا۔ اگر الفاظ قرآن کو وہ معنی پہنا دیے جائیں یا ان میں داخل کیے جائیں جو اللہ کے رسولؐ کے بتائے ہوئے معانی کے منافی ہوں تو، ان ھذا القرآن یھدی للتی ھی اقوم کیونکر ہو سکتا ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ الفاظ قرآن ان کا وہ مفہوم جو نبی کریمؐ نے بتایا اور اس کی وہ عملی تعبیر جو حضور اکرمؐ نے اپنے سامنے صحابہؓ کے تعامل کی صورت میں تیار کی یہ انسان کو کفر کی طرف جانے سے روکتی ہے۔

دوسری چیز ہے "وفیکم رسولہ" اس سے مراد حضور اکرمؐ کے وجود عنصری کا اس مادی دنیا میں موجود ہونا نہیں۔ کیونکہ ایسا ہوتا تو اسلام اسی جگہ تک پہنچتا جہاں تک حضور اکرمؐ کا وجود باجود پہنچا۔ لہذا اس کا مطلب ہے کہ اللہ کا رسول اپنی رسالت پہ قائم ہے اپنی تمام برکات سمیت موجود ہے۔ اور جہاں کوئی ایمان لاتا ہے رسالت کی برکات وہاں پہنچتی ہیں۔

یہاں زندگی اور موت کے فلسفے پہ ذرا غور کر لیں۔ موت کیا چیز ہے حدیث میں آتا ہے کہ حضور اکرمؐ نے فرمایا قیامت قائم ہوگی تو موت کو لایا جائے گا اور اسے فنا کر دیا جائے گا اور فرشتہ اعلان کرے گا کہ اے جنت کے رہنے والو یہاں ہمیشہ کے لئے رہو۔ اب موت کوئی نہیں اسی طرح دوزخیوں سے بھی کہے گا۔ اس سے ظاہر ہے کہ زندگی کے مقابلے میں موت کی کوئی حیثیت نہیں۔ زندگی قائم و دائم ہے موت فانی ہے عرف عام میں جسے موت کہتے ہیں وہ دراصل آغاز ہے اس زندگی کا جس کو فنا نہیں۔

آئیے اب دیکھیں کہ کیا سب انسانوں کی موت یکساں ہوتی ہے۔ یا جن پہ موت آئے ان کی کیفیات مختلف ہوتی ہیں اللہ کریم فرماتے ہیں جس کا مفہوم یہ ہے کہ فرشتے جب کافر کی روح نکالنے آتے ہیں تو اُسے مارتے آتے ہیں۔ عذاب دیتے ہیں اور جب مومن کی روح قبض کرنے آتے ہیں تو اسے جنت کی بشارت دیتے ہیں اور انتہائی عزت و احترام سے پیش آتے ہیں جبھی تو کہا گیا ہے

نشانِ مردِ مومن با تو گویم
چو مرگ آید تبسم بر لب اوست

معلوم ہوا کہ سب کی موت ایک جیسی تو نہ ہوئی۔ موت، روح کو ختم یا فنا نہیں کردیتی بلکہ موت سے روح کا وہ تعلق جو اس مادی جسم کے ساتھ دنیا میں تھا وہ منقطع ہو جاتا ہے وہ تعلق جو اس دنیوی حیات کو قائم رکھنے کے لئے تھا۔

اس سے آگے چلئے وہ حضرات جنہوں نے اللہ و رسول ؐ کے دین اور ان کی خوشنودی کے لئے جان کی بازی لگادی قتل ہوئے ان کا جنازہ پڑھا گیا انہیں دفن کیا گیا۔ لوگ کہتے ہیں مر گئے۔ مگر اللہ تعالےٰ فرماتا ہے انہیں مردہ نہ کہو۔ الٰہی! کیسے نہ کہیں اپنے ہاتھوں سے خود دفن کیا زندہ کیسے کہیں، ارشاد ہے تم مجھ پر ایمان لائے ہو یا اپنی سمجھ اور عقل پر جب میں کہتا ہوں وہ زندہ ہیں تو تم کیوں نہیں کہتے ہاں واقعی وہ زندہ ہیں۔ تم اپنی عقل پر تکیہ نہ کرو یہ وہ زندگی ہے جو تمہارے شعور سے بالاتر ہے۔ اب زندہ کہیں تو ماننا پڑے گا کہ ان کی ارواح کا تعلق ان کے اجسام کے ساتھ قائم ہے۔ ورنہ اگر صرف روح کو زندہ مانا جائے تو وہ تو کافر کی روح بھی زندہ ہے پھر شہید کی فضیلت کیونکر ثابت ہوئی؟

پھر یہ بات ہے کہ ارشاد خداوندی یہ ہے کہ جو "قتل کیا گیا" اُسے مردہ نہ کہو۔ ظاہر ہے قتل تو جسم کو کیا گیا ہے روح کو کس نے قتل کیا تو اللہ تعالےٰ جب فرماتے ہیں انہیں مردہ نہ کہو تو ظاہر ہے کہ قتل تو جسم ہی کو کیا گیا ہے تم جسم کو بھی مردہ نہ کہو ہاں زندگی کے لئے تم جن امور کو ضروری سمجھتے ہو وہ بھی انہیں میسر ہیں۔ احیاء عند ربھم یرزقون فرحین . . . الخ

یہاں ایک اور امر قابل غور ہے یہ موت ان لوگوں کی ہے جنہیں شہید کہتے ہیں۔ اور شہید وہ ہوتا ہے جو نبیؐ کی صداقت کی گواہی میں اپنی جان کی بازی لگادے تو خود نبی کی موت کی کیفیت کیا ہوگی؟

نبیؐ کی تو ساری زندگی ہی حق و صداقت کی شہادت میں صرف ہوتی ہے ان سب صداقتوں کی صرف گواہی دینے پر جب شہید زندہ ہے تو نبی زندہ کیوں نہیں جس کی جوتیوں کے صدقے تو شہید کو یہ اعزاز ملا۔

یوں سمجھئے کہ نبیؐ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اسلام کی ضرورت ہے ہم آج بھی پڑھتے ہیں لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ اگر نبی زندہ نہیں تو کلمہ ہی غلط ہوا۔ اب تو یہ کہنا چاہیئے لا الٰہ الا اللہ کان محمد رسول اللہ جب یہ کہا جائے گا کہ حضور اکرم کی رسالت آج بھی

موجود ہے تو دیکھنا پڑے گا کہ رسالت وصف جسم کا ہے یا روح کا۔ اگر وصف صرف ایک کا ہوتا تو کلمہ میں اس کا ذکر ہوتا مثلاً لاالٰہ الا اللہ روحِ محمد رسول اللہ جبکہ محمد رسول اللہ کہا گیا۔ تو محمد نام ہے روح مع الجسد کا۔ اب اگر جسم اور روح کو الگ کر دیا جائے۔ تو رسالت کا وصف کس کے حصے میں آئے گا۔ اور پھر ہمارا رسول کون ٹھہرا۔ اور کلمہ کس کا پڑھیں۔ ظاہر ہے کہ جب کلمہ محمد رسول اللہ ہی ہے اور رسول "روح مع الجسد" ہے جب کلمہ وہی ہے تو رسول بھی زندہ ہے۔ رسالت کی تمام ترکات کے ساتھ زندہ ہے۔

جب حضرت کا بیان ختم ہوا تو تمام سامعین صفوں میں قبلہ رُخ بیٹھ گئے اور حافظ عبد الرزّاق نے نہایت جامع مختصر اور پُر اثر انداز میں ذکرِ الٰہی کی افادیت اور طریقۂ ذکر بتلایا اور ذکر کی محفل شروع ہوئی۔ حضرت کی توجہ اس قدر تیز تھی کہ قریباً سب پہ رقّت طاری ہو گئی۔ اللہ کی شان ہے جس جگہ برسوں یہ راگ الاپا گیا کہ نبی مر گئے مر گئے وہاں آج دلوں کا رُخ ہی بدلا ہوا نظر آنے لگا ذکر کی برکات اور انوارات وتجلیات کی بارش ہونے لگی۔ اللّٰھم زد فزد

محفلِ ذکر کے بعد عشاء کی نماز جامعہ قاسمیہ میں ادا کی۔ یہاں حضرت نے ذکر کی افادیت اور ضرورت کے موضوع پہ بیان فرمایا۔

سورۃ الاعلیٰ کی چند آیات حضرت نے تلاوت فرمائیں اور فرمایا قد افلح کے معنی ہیں فلاح پا گیا ہے حالانکہ اس کا فیصلہ تو قیامت کے دن ہوگا۔ مگر قاعدہ یہ ہے کہ جب کسی امر کا وقوع مستقبل میں یقینی ہو تو اس کے لئے ماضی کا صیغہ بھی استعمال کرتے ہیں تو مراد یہ ہے کہ اس شخص کا فلاح پا جانا اتنا یقینی ہے جیسے اب کہہ دیا جائے کہ وہ فلاح پا گیا ہے مگر وہ کون ہے؟ جواب یہ ہے کہ جس نے اپنا تزکیہ کر لیا۔ اور تزکیہ کرنا تو فرائض نبوت میں سے ایک فریضہ ہے "یزکیھم" مگر تزکیہ کی حقیقت کیا ہے تزکیہ سے مراد قلب انسانی کا آلائشوں سے پاک وصاف ہونا اور جلا پاکر وہ استعداد حاصل کرنا ہے جو اسے انوارات وفیوضات باری اخذ کرنے کے قابل بنا دے اور یہ جنس گرانمایہ ملتی صرف ایک ہی دروازے پہ دستک دینے سے ہے اور وہ ہے در محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اب رہی بات اس عمل کی جس سے تزکیہ حاصل ہوتا ہے۔ تو فرمایا۔ اپنے رب کے نام کو دہراتا رہ اور اسکی

تکرار کی شان یہ ہے کہ کرنے کے جتنے کام ہیں ان میں "کثیرا" صفت صرف ایک اسی عمل کے ساتھ لگائی گئی ہے" اذکروا اللہ ذکرا کثیرا" غرض یہ ہے کہ اس نام کی تکرار اس قدر ہو کہ زندگی کا کوئی لمحہ اور کوئی کام اس سے خالی نہ رہے تاکہ ہر کام ہی عبادت بن جائے ہر وہ کام خواہ وہ بظاہر عبادت ہی کا کیوں نہ ہو اگر اس میں ذکر الٰہی کی روح نہیں تو وہ جسم بے روح ہے۔ اسی نسبت سے ہر شخص کے کاموں میں روح آتی ہے اور اعمال میں وزن پیدا ہوتا ہے اس لئے ایک ہی عمل ہے مگر عام آدمی کرے تو اس کا وزن اور ہے کوئی اہل اللہ کرے تو اور صحابی کرے تو اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کریں تو اس کے وزن کا اندازہ ہی نہیں کیا جا سکتا۔ اور حضور اکرمؐ تو عبادت یوں کرتے کہ کھڑے کھڑے پائے مبارک متورم ہو جاتے چنانچہ اللہ کریم فرماتے ہیں ان لک فی النھار سبحا طویلا مگر اس سب کے باوجود واذکر اسم ربک ۔ یعنی یہ اتنا عظیم اہم اور ضروری کام ہے کہ حضور اکرمؐ کی ذات بھی اس سے مستثنیٰ نہیں۔ فرمایا میرے حبیبؐ! تیری عبادت مثالی، تیری تبلیغ مثالی، تیرا مقام مثالی۔ مگر اس کے باوجود میرے حبیبؐ واذکر اسم ربک وتبتل الیہ تبتیلا۔ مختصر یہ کہ ذکر الٰہی ہماری اشد ضرورت ہے اس سے جب حضور اکرمؐ مستثنیٰ نہیں تو آپ اور ہم ایسی کونسی عبادت کرتے ہیں جو حضور اکرمؐ کی عبادت سے بھی بڑھ کے ہو کہ پھر ہمیں ذکر الٰہی کی حاجت نہ رہے۔

بیان کے بعد حضرت غریب خانہ پر تشریف لائے صبح تہجد کے بعد وہیں محفلِ ذکر ہوئی مسجد سٹیلائیٹ ٹاؤن میں صبح کی نماز پڑھی اور حضرت نے مختصر درس قرآن دیا۔ اس کے بعد حضرت لاہور تشریف لے گئے وہاں کے حالات آئندہ شمارے میں انشاء اللہ تعالےٰ۔

بقیہ: باوقوف یا بے وقوف

ساری محنت کسی دینی پروگرام یا اصلاحی پروگرام کو پیش کرنے میں کی جاتی تو نہ صرف لوگوں کی اصلاح ہوتی بلکہ برائی کے پھیلنے میں بھی رکاوٹ ہوتی۔ مثلاً بعنوان" اسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عظمت صحابہؓ، قانون کا احترام یا جھوٹی گواہی کے نقصانات وغیرہ تو یقیناً لوگوں کو صحیح معنوں میں فائدہ پہنچتا، یقیناً ایک حد تک معاشرے کی اصلاح ہوتی۔ اگر ایک شخص اپنے ذاتی فائدے کی خاطر اتنے بڑے ڈرامے کو رچا سکتا ہے تو حکومت جس کے ہاتھ میں اس ملک کی باگ ڈور ہو وسیع اختیارات ہوں وہ بھلا ایسے اصلاحی پروگرام کو کیوں پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچا سکتی۔ جبکہ حکومت ملک میں مکمل اسلامی نظام کو رائج کرنے کا تہیہ کر چکی ہے۔

— ۰ —

چادر اور چاردیواری

اُمِ ماریہ
ایبٹ آباد

شکاگو سے کوئی ستر میل دور ڈی کیلب میں ایک امریکن یونیورسٹی ہے جہاں مختلف ممالک سے طلبائ تعلیم حاصل کرنے جاتے ہیں۔ اس یونیورسٹی کے مسلم طلباء نے ایک مرتبہ اسلام کے متعلق ایک لیکچر کا بندوبست کیا۔ تقریر کے بعد سوال وجواب کے وقت پولیٹیکل سائنس میں پی ایچ ڈی کرنے والے ایک طالب علم نے اسلام میں عورت کی حیثیت کے متعلق سوال کیا مقرر کے جواب سے وہ پوری طرح جب مطمئن ہوتا دکھائی نہ دیا۔ تو ملائیشیا کی ایک طالب علم لڑکی نے جذبات سے کانپتی ہوئی آواز میں جواب دیا "آپ آج مجھے اسلامی لباس میں دیکھ رہے ہیں! لیکن چند سال قبل میں مکمل طور پر مغربی تہذیب کے مطابق زندگی گزار رہی تھی وجہ یہ ہے کہ میں اپنے ملک سے تنہا اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے امریکہ آئی۔ ان دنوں مجھے اصرار تھا کہ میں وہ سب کچھ کرسکتی ہوں جو ایک مرد کرسکتا ہے۔ میں مغربی تہذیب کے زیرِ اثر عورت کی بجائے مرد کا رول ادا کرنا چاہتی تھی گویا میں جو کچھ تھی وہ رہنا نہیں چاہتی تھی اور جو نہیں تھی وہ بن جانے کے لئے ساری کوشش صرف کرتی تھی۔ نتیجتاً میری زندگی میں زبردست انتشار تھا۔ یہاں امریکہ آکر چند مسلمان بہنوں کی کوششوں سے اسلام کے قریب ہوئی تو میں نے محسوس کیا کہ اسلام سے دور رہ کر میں نے اپنے اوپر کتنا ظلم کیا ہے! اب میری زندگی کا بھی کوئی مقصد ہے! میں ایک باوقار مسلمان عورت ہوں اور مغربی عورت کی طرح احساسِ کمتری کا شکار نہیں ہوں۔"

اسلام کی اس دختر کو کتنی محبت تھی اپنے دین سے کہ کفرستان میں اس کی آواز گونجی جس میں اتنا درد اور اتنی محبت تھی کہ ہال پر سناٹا چھا گیا اور پھر کسی کو مزید سوال پوچھنے کی جرأت نہ ہو سکی۔ کاش یہ محبت ہم میں سے ہر ایک کو نصیب ہوسکتی۔ اور ہم بھی اسلام کے کسی کام آسکتے۔ ذرا دیکھیں تو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم سے کتنی زیادہ محبت ہے اور ہمیں اُن سے اور اُن کے لائے ہوئے دین سے کتنا اُنس ہے!! سرورِ کونینؐ کا ارشاد مبارک ہے انما انا لکم مثل الوالد لولدہ (مشکوٰۃ)
ترجمہ۔ میں تمہارا ایسا مربی شفیق اور مہربان ہوں جیسے والد اپنی اولاد کے لئے۔ حضور اکرمؐ کا ہر ارشاد حکم

یا کوئی پابندی سبھی کمال شفقت کے سبب ہیں۔
اسلام مسلمانوں کو ایسا معاشرہ عطا کرتا ہے جس میں سکون اور راحت کے ساتھ باہمی الفت و محبت اور ایثار و قربانی کے جذبہ کے سبب اعتماد اور سلامتی کی فضا پائی جائے، ایسے ماحول کے لئے سازگار فضا کا ہونا ضروری ہے جس میں نیک نیتی اور خلوص وغیرہ تو ہوں لیکن بُرائی یا گناہ کی طرف لے جانے والے ہر فعل کی ممانعت ہو، فحاشی اور بے حیائی نام کی کوئی چیز نہ ہو۔ گناہ اور بدکاری کی طرف جانے کے تمام راستوں پہ اللہ تعالیٰ نے پابندی لگا رکھی ہے" وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا۔" اور زنا کے پاس بھی نہ جاؤ کہ وہ بےحیائی اور بُری راہ ہے یہ ہر وہ حرکت یا فعل جو خیالات اور جذبات کو برانگیختہ کرے ان سب پہ قرآن کی رو سے پابندی ہے سرور کائنات ؐ کا ارشاد ہے۔ اجنبیوں میں بن سنور کر ناز و انداز سے چلنے والی عورت ایسی ہے جیسے قیامت کے دن کی تاریکی کہ اس میں کوئی نور نہیں ہے (ترمذی) شاید اس لئے کہ اس کا یہ فعل دنیا میں نور ایمان ختم کرنے کا ذریعہ بنتا ہے۔ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حرکت پہ وعید فرمائی کہ ایسی عورتوں کا جنت میں داخلہ تو درکنار وہ تو جنت کی خوشبو بھی نہیں پاسکیں گی۔
ایک مرتبہ رحمت دو عالم ؐ نے وعید فرمائی کہ بعض عورتیں ستر کے لئے ناکافی یا باریک لباس پہنیں گی وہ بھی جنت کے قریب نہ پہنچ سکیں گی۔ پردے کا حکم آ جانے کے کچھ روز بعد حضرت سودہ ؓ رفع حاجت کے لئے کہیں شام کو باہر جا رہی تھیں کہ درازیٔ قد کی وجہ سے حضرت عمر ؓ نے پہچان کر فرمایا سودہ ؓ آپ چھپ نہیں سکتیں۔ حضرت سودہ ؓ حضور اقدس ؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں جو اُس وقت حضرت عائشہ ؓ کے حجرے میں کھانا تناول فرما رہے تھے اور حضرت عمر ؓ والا واقعہ عرض کیا تو آپ ؐ نے فرمایا۔ حاجت کے لئے گھر سے نکلنے پر کوئی پابندی نہیں۔ گویا کسی ضرورت سے گھر سے نکلنے کی اجازت تو ہے لیکن مندرجہ بالا پابندیوں اور محرم کے ساتھ کیونکہ محرم کے علاوہ تو حج جیسے فریضے یعنی اللہ کے گھر جانے کی بھی ممانعت ہے چہ جائے کہ بازار یا کسی اور کے گھر۔
سورۃ احزاب میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ قدیم جاہلیت کے طریقوں کے مطابق اپنے آپ کو مت دکھاتی پھرو جب کسی ضرورت کے مطابق باہر جانا بھی پڑے تو اپنے چہرے پر نقاب ڈال کر یا چادر وغیرہ سے گھونگھٹ بنا کر نکلو۔ اسی طرح سینوں پہ دوپٹے یا چادر اوڑھنے کا حکم ہے۔ اپنے شوہر کے علاوہ محرم ہو یا نامحرم کسی کے بھی سامنے چہرہ ہاتھ اور پاؤں کے علاوہ بدن کا کوئی حصہ بھی ظاہر کرنا منع ہے زینت اور آرائش کو چھپانے کی کوشش کے باوجود اگر کوئی حصہ ظاہر ہو جائے تو معافی ممکن ہے چہ جائیکہ میک اپ کر کے پھرنا کہ جس کا مقصد ہی سارے کا سارا آرائش اور جسم کی نمائش ہوتی ہے۔ مردوں کو عورتوں پہ نظر

ڈالنا جیسے منع ہے ایسے ہی عورتوں کو بھی ممانعت ہے کیونکہ یہ نظر کبھی اچانک نظرِ بد ہو جاتی ہے جو شیطانوں کے تیروں میں سے ایک تیر ہے۔

قابلِ تقلید عورتوں میں سے جنت کی سردار حضرت فاطمۃ الزہراؓ کی مثال ہمارے لئے نمونہ ہے۔ آپؓ نے وفات کے وقت وصیت فرمائی کہ مجھے رات کو دفن کیا جائے اس لئے کہ میرے جسم پر لوگوں کی ایسے وقت میں بھی نظر نہ پڑے نہ ہی کوئی نامحرم اس وقت بھی میرے قریب آئے۔ راحت القلب جگر گوشہ رسول ﷺ نے عفت و حیا کی ہمارے لئے مثال پیش کر دی۔ کاش اس پر ہمارا عمل بھی ہو سکے۔

ایک مرتبہ حضرت اسماء بنت یزید انصاریہؓ کو عورتوں نے حضور رحمۃ للعالمین ﷺ کی بارگاہ میں اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا۔ انہوں نے جا کر عرض کی حضور ﷺ میں عورتوں کی طرف سے نمائندہ بن کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی ہوں۔ ہم سب کی عرض یہ ہے کہ مرد لوگ نماز باجماعت، جمعہ، جنازہ، حج، عمرہ، جہاد، مریضوں کی عیادت وغیرہ جیسے کئی اہم فریضے ادا کر کے ہم سے ثواب اور اخروی درجات میں آگے نکل جاتے ہیں انہیں ویسے بھی عورتوں پر فوقیت تھی اور ان اعمال سے تو وہ آخرت میں بھی بازی لے جائیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اسماء! تم واپس جا کر عورتوں کو میرا پیغام سنا دو کہ تمہارا اپنے شوہر کے لئے بناؤ سنگھار کرنا، حقِ زوجیت ادا کرنا، شوہر کی رضامندی کی کوشش کرنا، اس کی مرضی کا اتباع کرنا یہ تمام امور مردوں کے تمام اعمال جن کا تم نے ذکر کیا ہے ان سب کے برابر ہیں۔ گھر بیٹھے بٹھائے تم سب یہ ثواب حاصل کر سکتی ہو۔ ایسے ارشادات کے ساتھ اسلام نے اس طرح گناہ کے تمام راستے مسدود کر دیے ہیں اس لئے اسلامی معاشرے کی پاکیزگی کا ہمیں بھی پورا احساس کرنا چاہیئے کسی پر بری نظر پڑے اور فوراً ہی پھیر دی جائے۔ نگاہوں میں یقیناً بڑا اثر ہوتا ہے، نظر لگ جانا، نظرِ بد، چشمِ بد دور، نگاہِ مردِ مومن کے اثرات کے تذکرے تو ہمارے روزمرہ کے محاورات میں شامل ہیں للچائی ہوئی نظریں ہوں یا ہوس اور گناہ کی نیت سے دیکھنا نہ صرف نظر ڈالنے والے کے لئے گناہ ہے بلکہ ان گنہگار نگاہوں میں نحوست اور لعنت کے اثرات موجود ہوتے ہیں جس کا اثر ہر اس چیز پر پڑے گا جہاں وہ نگاہیں پڑیں گی۔ اللہ اور رسول ﷺ کی طرف سے یہ پردے کی پابندی عین شفقت ہے کہ ان اثرات سے بچا جا سکے۔ گناہوں سے حفاظت گویا جہنم سے بچنے کی ضمانت ہی تو ہے۔

گو یہ پابندیاں مشکل دکھائی دیں لیکن ان کے اثرات بڑے دوررس اور اچھے ہیں۔ آج اس دور میں ان پر عمل ایک تبلیغ بھی ہے اور وہ بھی ایسے وقت جبکہ لوگ اس پابندی سے بھاگنے کی کوشش میں ہوں، میری ناقص رائے میں تو یہ عمل بھی ہادیٔ برحق ﷺ کی اس حدیث میں شامل ہوگا کہ جس نے میری کسی سنت کو اس وقت زندہ کیا جبکہ لوگ اس کے ختم کرنے کے درپے ہوں تو اس کو سو شہیدوں کا ثواب عطا کیا جائے گا۔ لہٰذا میری بہنو آؤ اتنا بڑا درجہ حاصل کرنے کے لئے تھوڑی بہت ہم بھی قربانی ضرور کریں۔

اللہ قبول فرمائے، اور ہم سب بہنیں بھی شریعتِ محمدی ﷺ پر عمل کرنے والوں میں شامل ہو کر میدانِ حشر میں آقا ﷺ کے حضور سرخرو ہو سکیں۔